فقہ الاقلیات

تعارف، تجزیہ اور حل

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ

IFA PUBLICATIONS
ایفا پبلیکیشنز

Marfat.com

Marfat.com

فقہ الاقلیات

تعارف، تجزیہ اور حل

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ محمد

ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی

Marfat.com

11863

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : فقیہ الاقلیات-تعارف، تجزیہ اور حل

مترجم : مولانا محمد امتیاز عالم قاسمی (استاذ المعہد العالی پٹنہ)

نظر ثانی : مولانا یحییٰ قمر اثری فلاحی

کمپوزنگ : محمد سیف اللہ

صفحات : ۲۰۸

سن طباعت : فروری ۲۰۱۲ء

قیمت : ۱۳۰/روپے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublication@gmail.com

فون: 011 - 26981327

Marfat.com



Marfat.com

Marfat.com

فہرست

تمہید	۹
پہلی بحث: مقدمہ	۱۳
اول : اقلیت کی تعریف	۱۵
دوم : اقلیتی فرقے اور تعصب کے اسباب	۱۸
سوم : اقلیتوں کے حالات کے کچھ نمونے (ایک سرسری جائزہ)	۲۲
دوسری بحث: اقلیتوں کو درپیش حقیقی مسائل	۳۷
اول : اقلیتیں انضمام و امتیاز کے شکنجہ میں	۴۰
دوم : تفریق کا دستوری معیار	۴۱
سوم : عقیدہ، عبادت، مذہبی ولسانی تعلیم اور دعوت وتبلیغ کے شعبوں سے متعلق قانونی حدود	۴۷
چہارم : قانون سازی اور عدالتی نظام سے متعلق قانونی حدود	۵۱
پنجم : سلامتی، روزگار اور شہری حقوق سے متعلق قانونی حدود	۵۴
ششم : دیگر حقوق و آزادیوں کا حصول	۵۶

Marfat.com

تیسری بحث: اقلیتوں کو درپیش تنفیذی مسائل ۵۹

اقلیتوں کے اپنے حقوق سے استفادہ یا عدم استفادہ کے اسباب ۶۱

اول : حقوق سے استفادہ کی سرکاری شرطیں ۶۱

دوم : عملی شرائط ۶۴

سوم : غیر قانونی افعال ۶۵

چہارم : کسی مذہبی جماعت کو اقلیت تسلیم کرنے کا مفہوم ۶۸

چوتھی بحث: بین الاقوامی قانون ۶۹

مقدمہ ۷۱

اول : پہلا مرحلہ ۷۳

دوم : دوسرا مرحلہ ۷۳

سوم : تیسرا مرحلہ ۸۳

چہارم : مستقبل کا لائحہ عمل ۸۸

پانچویں بحث: دوسرے اصول وقوانین ۱۰۱

اول : بین الاقوامی دباؤ ۱۰۳

دوم : فقہی وفکری تحریریں ۱۰۴

سوم : مسلمانوں کی تاریخی سرگرمیاں ۱۰۸

چھٹی بحث: شرعی قانون (دوسرے پر نظر کی جہت سے) ۱۱۱

مقدمہ ۱۱۳

Marfat.com

اول : نسل انسانی کی وحدت اور بحیثیت انسان، انسان کا احترام ۱۱۸

دوم : وحدت دین ۱۲۰

سوم : تنوع - سنت الٰہیہ ۱۲۶

چہارم : تنوع کا مقصد، باہم تعارف، تکامل، تعاون اور
بھلائیوں میں مسابقت ہے ۱۳۰

پنجم : ہر طرح کی تفریق کا خاتمہ ۱۳۳

ششم : وطنیت ۱۳۹

ساتویں بحث: شرعی قانون (دوسروں کے ساتھ تعلق کی جہت سے) ۱۵۳

اول : اکثریت کے تقاضے اور اقلیت کی خصوصیات ۱۵۵

دوم : جان و مال کا احترام ۱۵۷

سوم : انصاف کا وجوب ۱۶۲

چہارم : مساوات و برابری ۱۶۵

پنجم : حقیقت پسندی اور غیر جانب داری ۱۷۱

ششم : حسن سلوک ۱۷۵

ہفتم : ذبیحہ اور نکاح کی حلت ۱۷۹

ہشتم : مختلف قسم کی آزادیاں ۱۸۱

نہم : بین المذاہب ڈائیلاگ ۱۸۷

مستقبل کا لائحہ عمل ۱۹۰

Marfat.com

آٹھویں بحث: اقلیات کی نئی فقہ کا خاکہ		۱۹۵
اول	: چند اعتبارات جن کی رعایت مطلوب ہے	۱۹۹
دوم	: آزادی وخودمختاری کا اختیار	۲۰۱
سوم	: وفاقی حکومت کا اختیار	۲۰۲
چہارم	: احوال شخصیہ یا پرسنل لاء کا اختیار	۲۰۲
پنجم	: آبادی کے تناسب سے انضمام کا اختیار	۲۰۳

☆ ☆ ☆

Marfat.com

تمہید

جب اقلیات کا موضوع زیر بحث آتا ہے تو کچھ لوگ یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اقلیات کا تاریخی اور تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ لیکن زیر تحریر مقالہ میں میں نے یہ انداز نہیں اپنایا، اور نہ ہی اقلیتوں کے حالات سے پوری طرح قطع تعلق کیا ہے، میں نے یہاں جو اندازِ تحقیق اپنایا ہے اس میں اقلیتوں کے موضوع پر فقہی نقطۂ نظر سے ایک مبسوط خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے آثار پچھلی صدی ہی میں ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے، میں نے اس فقہی نظریہ کے ثبوت میں ٹھوس اصول شرعیہ پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے، ساتھ ہی مقاصد شریعت اور کلیات سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور اس پورے عمل کے لئے اقلیتی مسائل کا ہر پہلو اور ہر جہت سے ہمہ گیر جائزہ لیا ہے، مزید یہ بھی پیش نظر رکھا کہ اس تعلق سے عصری اور تاریخی کیا کیا سرگرمیاں روبہ عمل آئی ہیں اور علاقائی قوانین اور بین الاقوامی قراردادوں میں کس قسم کے حل پیش کئے گئے ہیں؟

اس طرح اس مقالہ کا موضوع سے دوگونہ ربط ہے، ایک طرف یہ اقلیتوں کے حالات کا مکمل احاطہ کرتا ہے، دوسری طرف اس میں ان حالات کے حل کے لئے کی گئی کوششوں کا بھرپور جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

اس مقالہ میں چوں کہ اقلیتوں کے حالات کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے اس لئے اسلامی ملکوں کی غیر مسلم اقلیات اور غیر اسلامی ملکوں کی مسلم اقلیات ہی کی بحث پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ان سب کو عالمی اقلیات کے زمرے میں رکھ کر گفتگو کی گئی ہے، خواہ وہ اقلیات مذہبی ہوں یا نسلی،

Marfat.com

لسانی ہوں یا ثقافتی۔

موضوع کے پیش نظر گو کہ تحقیق کا دائرہ ان حالات تک دراز ہو گیا ہے جن کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں مثلاً امریکہ اور آسٹریلیا کے اصل باشندوں کے حالات یا پھر شمالی آئیرلینڈ اور برطانیہ کی کشمکش یا تبت اور چین کے کشیدہ حالات، لیکن اس پورے عمل کے دوران نگاہ جس امر پر مرکوز رہی وہ یہ کہ ان مسائل میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے؟ یہ خیال اس وقت بھی رہا جب اسلامی ملکوں کی غیر مسلم اقلیات سے بحث کی گئی اور اس وقت بھی جب غیر مسلم ملکوں کی مسلم اقلیات کا جائزہ لیا گیا، نیز نظر سے یہ حقیقت بھی اوجھل نہیں رہی کہ اس وقت دنیا کے نازک مسائل کی جڑ اقلیتوں کے حالات ہیں۔ انڈونیشیا، چین، ہندوستان، پاکستان، افغانستان، سابق سوویت یونین کے ممالک، سابق یوگوسلاویہ کے ممالک، وسط اور شمال افریقہ کے ممالک میں جاری خوں ریز جھڑپیں دنیا کے وہ سلگتے مسائل ہیں جو اپنی اصل کے اعتبار سے اقلیتوں ہی کے مسائل ہیں۔ یہاں ہمیں اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ بڑی قوتیں ان تنازعات کو ہوا دینے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں، ان سے طرح طرح سے فائدہ اٹھا رہی ہیں، تنازع کے فریق ملکوں کو ہتھیار فروخت کر رہی ہیں اور مختلف قسم کے سیاسی، عسکری اور اقتصادی مفادات کے حصول میں لگی ہیں اور ان کے ذریعہ ان ملکوں پر اپنی گرفت مضبوط کر رہی ہیں، ان کی نظروں کے سامنے انسانی لاشوں کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں، پناہ گزینوں کے قافلے دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ہر سو تباہی و بربادی کا المناک منظر ہے، لیکن کوئی اس المناکی اور بیچارگی پر رونے والا نہیں۔ اس تناظر میں زیر بحث موضوع کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

مسائل کے حل کی تلاش میں ہم نے سیاست اور میڈیا میں رائج موجودہ طریقۂ کار کے برعکس موضوعی اسلوب اختیار کیا ہے، دوہرا پیمانہ نہیں اپنایا اور نہ ہی ظاہر و باطن کی یکسانیت کو ختم کیا ہے، عدل و انصاف کو اساس بنایا ہے جس کا ہمیں اسلام نے تاکیدی حکم دیا ہے، انسانی مسائل کا

Marfat.com

اسلامی حل پیش کرتے ہوئے اسلامی اقدار وروایات سے روشنی حاصل کی ہے اور اس طرح اسلام کی عالمگیریت کے تئیں عائد ہونے والے فریضہ کو انجام دیا ہے۔

اس عمل میں اجتہادی طریقہ کار کی ضرورت ہے:

(۱) شرعی نصوص اور انسانی اجتہادات وتاریخی سرگرمیوں کے درمیان واضح فرق ہونا چاہئے۔

(۲) ایک طرف عصر حاضر کے نو پید مسائل کو پوری طرح سمجھا جائے اور دوسری طرف تاریخی تجربات اور حل کی کوششوں کا اچھی طرح استیعاب کیا جائے۔ساتھ ہی بین الاقوامی پابندیوں اور قوانین کا بھی پورا احترام کیا جائے۔

(۳) مسائل اور ان کے اسباب کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ان کے متنوع مظاہر سے کام لیا جائے، صورت حال کے کوائف وحالات کی تفصیل پر اکتفانہ کیا جائے۔

ہم نے اس موضوع پر بحث کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے، جو درج ذیل ہیں:

(۱) مقدمہ جو اقلیت کی تعریف، ان کے تعارف اور ان کے چند نمونوں پر مشتمل ہے۔

(۲) واقعی مسائل جن سے اقلیتیں دوچار ہیں۔

(۳) اقلیتوں کو درپیش تنفیذی یا عملی مسائل، یعنی اقلیتوں کے حقوق کے نفاذ یا عدم نفاذ کے بعد پیدا ہونے والے عملی مسائل۔

(۴) بین الاقوامی قانون۔

(۵) دیگر قوانین۔

(۶) دوسرے کو کس زاویہ سے دیکھا جائے، اس بابت شرعی قانون۔

(۷) دوسروں سے تعلقات کی بابت شرعی قانون۔

(۸) اقلیتوں کی فقہ جدید پر ایک نگاہ۔

یہ مقالہ اس سے قبل ''أمتی فی قرن'' نامی سالنامہ مجلّہ میں چھپ چکا ہے جو ''مرکز

Marfat.com

الحضارة للدراسات السياسية'' سے شائع ہوتا ہے، اوراب بعض دوستوں کے بے حد اصرار پر مرکز سے منظوری ملنے کے بعد کتابی شکل میں شائع کیا جارہا ہے۔

یہ مقالہ اس سے قبل پریس میں جاچکا تھا جب ڈربن میں خاص نسل پرستی کے موضوع پر اقوام متحدہ کی کانفرنس منعقد ہوئی، اس لئے اس کانفرنس کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کا اس مقالہ میں ذکر نہیں، اس کے بعد ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کا مشہور حادثہ پیش آیا اوراس سے مربوط کچھ اور واقعات رونما ہوئے جس نے عربوں، مسلمانوں اوراسلام کے تئیں مغرب کی دشمنی، نسلی اور مذہبی تفریق کی قلعی کھول دی اور یہ بھی آشکارا کردیا کہ مغرب کی خمیر میں قانون کی بالادستی اور انسانی حقوق کے تعلقات سے کیسی بے حسی ہے۔اس صورت حال نے موضوع کی اہمیت مزید بڑھادی اوراس ضرورت کی شدت میں اضافہ ہی کیا کہ مسلم دانشوران مغرب کے قافلے سے جڑنے کے بجائے اسلامی اقدار کی پاکیزگی اور گہرائی کو سمجھیں اور دوسروں تک انہیں پہنچانے کی ذمہ داری انجام دیں، خاص طور پر گلوبلائزیشن کے اس دور میں جس میں انسانیت جی رہی ہے۔

اخیر میں عرض کرتا چلوں کہ اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا تو یہ خدا کی توفیق اوراس کا فضل ہے اوراگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں تو تعجب خیز نہیں، کہ کمال تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہے اوراسی سے توفیق ملتی ہے۔

مؤلف

جمال الدین عطیہ محمد

Marfat.com

پہلی بحث

مقدمہ

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

یہ مقدمہ تین امور پر مشتمل ہے:

اول : اقلیت کی تعریف

دوم : اقلیتی فرقے اور تعصب کے اسباب

سوم : اقلیتوں کے حالات کے کچھ نمونے (ایک سرسری جائزہ)

اول: اقلیت کی تعریف:

(الف) اقلیت کیا ہے؟ اصولی اعتبار سے یہ بات اہم ہے کہ اقلیت کی ایسی تعریف ہو جو عالمی سطح پر قابل قبول ہو۔ کیوں کہ تفریق اور ظلم سے اقلیتوں کا تحفظ اسی کا متقاضی ہے، لیکن اقلیت کی ایسی ہر دلعزیز تعریف کے لئے جو کوششیں کی گئیں وہ سب ناکام ثابت ہوئیں۔

البتہ موضوع پر بحث و تحقیق سے کچھ اہم متعلقہ مسائل کی وضاحت ہوتی ہے۔

(ب) اصل دشواری، اقلیتوں کے حالات کا تنوع ہے: بعض اقلیتیں ایک خاص علاقہ میں اکثریتی طبقہ سے بالکل الگ تھلگ رہتی ہیں، جیسے شمالی عراق میں کرد، جب کہ بعض دوسری اقلیتیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

بعض اقلیتوں میں اجتماعی تشخص کے تئیں قوی احساس پایا جاتا ہے، جو عرصہ سے ان میں موجود ہے، یہ احساس نسل در نسل ان میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے، یا کتابوں کے ذریعہ محفوظ ہے،

Marfat.com

جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا معاملہ ہے، جب کہ دوسری اقلیتیں مشترک ورثہ کے تعلق سے پراگندگی فکر کی شکار ہیں۔

بعض دفعہ اقلیتیں بڑی حد تک شخصی خودمختاری سے بہرہ ور ہوتی ہیں، یا ماضی میں اس دور سے گزر چکی ہوتی ہیں، جب کہ بعض دفعہ خودمختاری اور فیصلہ کی قوت سے یکسر محروم ہوتی ہیں۔

(ج) اقلیت کی ایسی مقبول تعریف جو خصوصی حمایت کی محتاج دنیا بھر کی تمام اقلیات کو شامل ہو گو کہ مشکل ہے، لیکن ایک عمومی تعارف پیش کیا گیا ہے جس کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

اقلیت ایک ایسے انسانی گروہ کا نام ہے جو قومی، نسلی، مذہبی یا لسانی بنیاد پر متحد ہو اور ملک میں موجود دوسرے بااختیار گروہوں سے مختلف ہو۔

بعض دوسری خصوصیات جو مجموعی طور پر تمام اقلیات کو شامل ہیں:

(۱) افراد کی تعداد کی قلت: ظاہر ہے کہ اقلیتی افراد کی تعداد، بقیہ اکثریتی طبقے سے کم ہونا لازمی ہے، البتہ کبھی ایسے حالات ہوتے ہیں کہ کوئی بھی طبقہ اکثریت میں نہیں ہوتا، جیسا کہ سوئزرلینڈ میں ہے یا ان کی تعداد مشکوک ہوتی ہے جیسے لبنان اور حبشہ کی صورت حال ہے۔ نیز یہ بھی لازم ہے کہ اقلیتی طبقہ کا حجم اتنا بڑا ہو کہ اس کو خصوصی امتیازات کا اہل مانا جا سکے، اور یہ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ کوئی بھی اقلیت، خواہ اس کا حجم کتنا ہی چھوٹا ہو، بدسلوکی اور تفریق کی ہر شکل سے محفوظ ہو اور اس کے افراد انسانی حقوق کے عمومی احکام سے بہرہ ور ہوں جو قانون کی جانب سے فراہم کیے گئے ہیں۔

(۲) غلبہ کا فقدان: اقلیت کا مغلوب پوزیشن میں ہونا ضروری ہے تا کہ اسے تحفظ فراہم کرنے کا

Marfat.com

جواز نکل سکے، کچھ اقلیتیں ایسی ہیں جو نہایت مضبوط پوزیشن میں ہیں، انہیں تحفظ کی مطلقاً ضرورت نہیں جیسے جنوبی افریقہ کے گورے لوگ، اسرائیل کے یہود، بوسینیا اور کوسوو میں سرب اور زمبابوے میں سفید فام لوگ، بلکہ کچھ طاقت ور اقلیتیں تو حقوق انسانی کے عالمی منشور میں دیے گئے حقوق مثلاً مساوات، عدم تفریق اور اظہار رائے کی آزادی کے اصولوں کی بری طرح دھجیاں اڑاتی ہیں۔

(۳) نسل، قوم، ثقافت، زبان یا مذہب میں اختلاف: اقلیتوں کی کچھ ٹھوس علامات ہوتی ہیں جیسے نسلی، مذہبی، قومی، لسانی وغیرہ، وہ ملک کے اکثریتی طبقہ کی علامات سے مختلف ہوتی ہیں جیسے شمالی وجنوبی امریکہ اور آسٹریلیا کے اصل باشندے، امریکہ کے سیاہ فام لوگ وغیرہ۔

(د) یہ خصوصیات ان فرقوں پر صادق آسکتی ہیں جو حقیقی معنوں میں اقلیت نہیں:

جیسے مہاجر ملازمین، پناہ گزیں اور قومیت سے محروم لوگ وغیرہ جو غیر ملکی ہوں، اس زمرے سے تعلق رکھنے والے افراد، بین الاقوامی قانون کے عام حکموں کے مطابق متعصّبانہ تفریق سے محفوظ ہیں، اور دیگر اضافی حقوق بھی انہیں حاصل ہیں جن کی ضمانت درج ذیل قراردادیں لیتی ہیں مثلاً ہر طرح کے مہاجرین اور ان کے افراد خانہ کے حقوق کے تحفظ سے متعلق بین الاقوامی قرارداد، قومیت سے محروم لوگوں کو پناہ دینے سے متعلق قرارداد، اور پناہ گزینوں کو حمایت دینے کی بابت خصوصی قرارداد وغیرہ، اسی طرح ایک ایسا منشور بھی پاس ہو چکا ہے جو ان افراد کے حقوق کا ضامن ہے جو دوسرے ملکوں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔

(ھ) اقلیتی افراد کے اختیارات:

اقلیتی افراد کے لئے اپنے تشخص کے اظہار کے دو راستے ہیں:

اوّل: کسی جماعت کا اپنے تشخصات کے تحفظ کے لیے پوری رغبت کے ساتھ شراکتی عمل، اس قسم

Marfat.com

کے باہمی تعاون کا احساس اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ جماعت ایک طویل عرصہ سے اپنے امتیازی تشخصات کا تحفظ کرتی چلی آئی ہے اور جب کسی جماعت یا برادری کا وجود، عام باشندوں کے مقابلہ کسی خاص لسانی، مذہبی یا نسلی شناخت کے ساتھ جڑ پکڑ لے تو اس کے افراد اپنے امتیازی تشخصات کے تحفظ کے لئے باہمی اتحاد اور مشترک ارادہ کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

دوم: تشخص کے اظہار کا دوسرا راستہ: یعنی اقلیت کے ساتھ جڑنے یا نہ جڑنے کا اختیار، چنانچہ بعض لوگ اکثریتی طبقہ کے ساتھ جڑنے کو ترجیح دیتے ہیں، اور یہ ان کا حق ہے، اقلیت یا اکثریت کو ان کے راستے میں روڑے اٹکانے کا کوئی حق نہیں[1]۔

دوم: اقلیتی فرقے اور تعصب کے اسباب:

(الف) اقلیتوں کی تشکیل کے چند معیار ہیں[2] جن میں اہم ترین معیار وہ خصوصیات ہیں جو اقلیتوں کو دوسرے ہم وطنوں سے ممتاز کرتی ہیں جیسے:

(ا) خاص قوم یا خاص نسل: اس میں سامی اور غیر سامی شامل ہیں۔ اسی طرح رنگ کا معیار بھی اسی کے تحت داخل ہے جیسے کالے اور حبشی۔

---

[1] اقلیت کی تعریف کے تعلق سے سیر حاصل بحث کے لئے ملاحظہ ہو، ڈاکٹر وائل علام کی کتاب "حماية حقوق الأقليات في القانون الدولي العام" طبع: دار النہضۃ العربیۃ ۱۹۹۴ء صفحہ ۸-۲۴، اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ: اقلیت سے مراد کسی ملک کے باشندوں کی ایسی جماعت ہے جو مغلوب ہو، دیگر باشندوں کے مقابلے تعداد میں کم ہو، اس جماعت کے افراد ایک دوسرے سے نسل، مذہب، زبان یا ثقافت کے رشتہ سے مربوط ہوں، اور یہ خصوصیات انہیں دیگر ہم وطنوں سے ممتاز کرتی ہوں، نیز اس جماعت کے افراد اپنی ان امتیازی خصوصیات کے تحفظ اور فروغ میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہوں۔"

[2] ممتاز خصوصیات کی اساس پر اقلیتوں کی تشکیل کے ساتھ، دو اور بنیادوں پر ان کی تشکیل ہو سکتی ہے ایک تو ملکوں پر ان کی جغرافیائی تقسیم کی حیثیت سے دوسرے ایک ہی ملک کے اند ان کی جغرافیائی تقسیم کی حیثیت سے، دیکھئے: ڈاکٹر وائل علام کی مذکور الصدر کتاب۔ صفحہ ۲۵-۳۴۔

Marfat.com

(۲) مذہب: مذہب میں مسلک اور فرقہ بھی شامل ہے جیسے کیتھولک، آرتھوڈکس اور پروٹسٹنٹ فرقے، عیسائی مذہب کا حصہ ہیں، اسی طرح سنی شیعہ، درویز اور علوی فرقے مذہب اسلام میں شامل ہیں۔

(۳) زبان: زبان کے تحت اس کے مختلف لہجات داخل ہیں، جو اصل زبان اور قواعد سے کبھی قریب ہوتے ہیں کبھی دور۔

اقلیتوں کی تشکیل کے یہ تینوں معیار، شروع سے اساس بنتے رہے ہیں، بعد میں کچھ اور معیاروں کا اضافہ کیا گیا۔

(۴) مہاجر ملازمین کی صورت حال

(۵) غیر ملکیوں سے نفرت: اصل یہ ہے کہ غیر ملکیوں کو ایک اقلیت تصور کر کے انہیں اقلیتوں کے تحفظ کے احکام (مراعات) فراہم کرنا، اقلیتی ادبیات میں نا قابل عمل تھا کیوں کہ حکومت کو بعض حقوق اپنے اصل باشندوں کے لئے مخصوص کرنے کا حق ہے، اگر چہ ادھر کچھ ملکوں نے، وہاں مقیم غیر ملکیوں کو کچھ سیاسی حقوق دینے کی جانب عملی طور پر پیش رفت کی ہے جیسے بلدیاتی کونسل ہی میں سہی، رائے دہی کا حق، اس لئے کہ غیر ملکی مقیم بھی ٹیکس کی ادائیگی میں اصل باشندوں کے دوش بدوش ہیں۔

بین الاقوامی قرارداد کے فقرہ نمبر ۲، دفعہ نمبر ا میں نسلی تفریق کی تمام شکلوں کو پوری طرح مسترد کیا گیا ہے، البتہ یہ دفعہ ان امتیازات، مراعات اور پابندیوں کو شامل نہیں، جنہیں معاہدہ کا کوئی ایک فریق ملک، اپنے اصل باشندوں اور مقیم غیر ملکیوں کے درمیان نافذ کرے، یا بروئے کار لائے۔ یہ قرارداد ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء میں پاس ہوئی۔

اسی طرح انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے تعلق سے یوروپی قرارداد کی دفعہ نمبر ۱۶ میں

Marfat.com

جو ۴ر نومبر ۱۹۵۰ء کو منظور ہوئی، صراحت ہے کہ معاہدہ کے فریق ملکوں کو حق ہے کہ وہ غیر ملکیوں کو سیاسی سرگرمی میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دیں۔

(۶) پناہ گزیں اور ملک بدر لوگ۔

(۷) اصل باشندے: عالمی سطح پر اصل باشندوں کی تعداد ۳۰۰ ملین (۳۰ کروڑ) سے زیادہ ہے، ماضی قریب تک اقوام متحدہ انہیں نظر انداز کرتی رہی اور ان ملکوں کی پالیسیوں کو جہاں وہ باشندے رہ رہے تھے، (اس سے مراد وہ باشندے ہیں جو ان ملکوں پر غیر ملکی سامراجیوں کے حملہ سے قبل ان ملکوں کے اصل باشندے تھے) قبول کرتی رہی، ان پالیسیوں کا مقصد، ان باشندوں کو معاشرے میں ضم کرنا اور بتدریج انہیں ہضم کرنا تھا، لیکن جب وہ لوگ اپنے تشخص کی حفاظت پر ڈٹے رہے اور انہیں ضم کرنے کی کوششیں ناکام ہوتی رہیں تو اقوام متحدہ نے ان میں دلچسپی لینی شروع کی، اور ۱۹۸۲ء میں اقوام متحدہ کی ایک ذیلی کمیٹی نے ان باشندوں کی بابت ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی، جس میں دیگر سفارشات کے ساتھ یہ سفارش بھی درج تھی کہ ۱۹۹۴ء میں ایک ہمہ گیر جدوجہد کے لئے جماعت تشکیل دی جائے، جس میں ۱۶۱ / تنظیمیں ہوں، ۴۲ / حکومتیں شریک ہوں، اور ۸۰۰ / افراد اس کے ممبران ہوں، ساتھ ہی ان باشندوں کے حقوق سے متعلق ایک خصوصی منشور بھی تیار کرنے کی طرف توجہ کی گئی، اور ان معاہدات کا جائزہ لینے میں بھی دلچسپی دکھائی گئی جو ان باشندوں اور ملکوں کے درمیان طے پائے، اور ملک کی زمینوں میں ان لوگوں کے حقوق کی بابت بھی تحقیق کی گئی۔

جنرل کونسل نے ۱۹۹۴ء میں ان باشندوں کے تعلق سے ایک خصوصی منشور (۱۹۹۵ء۔ ۲۰۰۴ء) جاری کیا، جس میں کہا گیا تھا کہ صحت، تعلیم، ترقی، ماحول اور حقوق انسانی کے حوالے سے ان کی مشکلات کا حل تلاش کیا جائے گا۔

Marfat.com

(ب) تفریق اور تعصب کی کیفیت ہمیشہ ایک بنیاد مثلاً مذہب، نسل یا زبان پر نہیں رہتی، بلکہ دو بنیادیں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط بھی ہو جاتی ہیں، جیسے:

(۱) اکثر و بیشتر نسل، زبان کے ساتھ مربوط ہو جاتی ہے۔

(۲) کبھی کبھی نسل، مذہب کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے۔

(ج): تعصب و تفریق کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

(۱) جہالت، اور شعور کی کمی۔

(۲) مذاہب میں کشمکش۔

(۳) مذہب کا غلط استعمال یا استحصال۔

(۴) تاریخی تغیرات۔

(۵) معاشرتی کشیدگی۔

(۶) حکومتی افسر شاہی۔

(۷) باہمی مذاکرات کا فقدان۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مذہب بے زار لوگ (دہریہ) بھی، مذہب کے ماننے والوں سے کم تعصب نہیں برتتے، اسی طرح تعصب جاہلوں تک ہی محدود نہیں، تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

مذہب میں تصلب اور اس کی بنیاد پر تعصب بیشتر لوگوں میں اس وجہ سے پایا جاتا ہے کہ وہ اس مذہب میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، جس کی وجہ سے وہ اس سے پوری طرح مانوس ہو گئے، اور کبھی کسی اور مذہب کو جاننے کی کوشش نہیں کی، جو لوگ عملاً دوسرے مذاہب کو سمجھنا

Marfat.com

چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ کام نہایت مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا تقاضہ ہوتا ہے کہ شب و روز کے تجربات سے نکل کر کچھ دوسرے افکار و خیالات قبول کئے جائیں اور زندگی کے مکمل نظام کو بدل دیا جائے ـــــــ استعماری قوتوں نے، اپنی نو آبادیات کو مغلوب و تابع کرنے کے لئے تعصب و تفریق کو دو ہتھیاروں کے طور پر استعمال کیا ہے۔ خاص طور پر تعصب کی جڑیں مضبوط کرنے کی تو ایسی کوشش کی کہ نو آباد ملکوں کے راہ نما و عوام، ان ملکوں کے آزاد ہونے کے بعد بھی ان کے پھیلائے ہوئے تعصب پر قائم ہیں۔

اکثر و بیشتر تفریق و ظلم کی بنیاد مذاہب کی تعلیمات نہیں ہوتیں، بلکہ اس کا سبب عموماً سیاسی اور تاریخی ہوتا ہے۔

اسی طرح یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ حکومتیں، قوت و اقتدار کی جنگ میں مذہب کو اپنا اہم ترین حریف سمجھتی ہیں، اسی وجہ سے وہ تعصب، تفریق یہاں تک کہ ظلم کا سہارا لیتی ہیں، تا کہ اصل دشمن ''مذہب'' کو نیست و نابود کر سکیں، یا پھر دوسروں کو مغلوب کرنے اور انہیں ختم کرنے کے لئے مذہب کا غلط استعمال کر سکیں[1]۔

سوم: اقلیتوں کے حالات کے کچھ نمونے (ایک سرسری جائزہ)

اس مقالہ کا مقصد، تفصیلی طور پر اقلیات کے حالات کا احاطہ نہیں، کہ اس کے لئے دوسرے مواقع ہیں، یہاں موضوع کی مناسبت سے صرف دو امور قابل توجہ ہیں:

(ا) مختلف شعبوں میں اقلیتوں کے مسائل کی جزئی مثالیں پیش کرنا، جو انشاء اللہ دوسری اور تیسری بحث کے تحت آ رہی ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو، اقلیتوں کے تحفظ اور تفریق روکنے سے متعلق ذیلی کمیٹی کی خصوصی رپورٹ، عنوان ہے: **القضاء على جميع أشكال التعصب والتمييز القائمين على أساس الدين أو المعتقد**'' یہ رپورٹ رسالہ کی شکل میں، جنیوا میں واقع حقوق انسانی کے مرکز سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی ہے، صفحہ ۴۲، ۴۳، ۴۷، ۴۸، ۴۹۔

111863

Marfat.com

(۲) مختلف نمونوں کے ذریعہ اقلیات کے موضوع کی عظمت واہمیت اجاگر کرنا، اور اسی مقصد کے لئے میں نے اس بحث کو خاص کیا ہے۔ اس میں ہم بعض ملکوں کے کچھ واضح مناظر پیش کریں گے، جن میں اصل باشندوں کے ساتھ اقلیتی عناصر کی آمیزش نے کچھ ایسی تصویر بنادی ہے جیسے کسی فرش پر رنگ برنگ سنگ مرمر کے ٹکڑے جڑ دیئے گئے ہوں۔ اور کبھی کسی آبادی میں اقلیتوں کے مختلف گروہ ہوتے ہیں جن میں کوئی بھی اکثریت میں نہیں ہوتا۔

(الف) دنیا کی مختلف اقلیات پر ایک نظر: اس مقالہ میں دنیا کی تمام اقلیات کا احاطہ ممکن نہیں، یہاں بس ان اعداد وشمار کا ذکر کردینا کافی ہے جو اقوام متحدہ کی مختلف رپورٹوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ ان رپورٹوں کے مطابق تا ہنوز دنیا میں کئی کروڑ لوگ ایسے ہیں جو فکر وخیال اور مذہب وعقیدہ کی مکمل آزادی سے محروم ہیں، ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد ۲ء۲ بلین ہے[۱]۔ اور اقوام متحدہ ہی کی ایک دوسری رپورٹ کے مطابق، جو اقلیتوں کی ایک دوسری قسم سے تعلق ہے اور جس کو ''اصل باشندے'' کا نام دیا گیا ہے، ان کی تعداد تقریباً ۳۰۰ ملین تک پہنچتی ہے۔ اس میں ہندنژاد امریکی، قطبی علاقہ کے انویت اور الوتی، شمالی یورپ کے سامی، آسٹریلیا میں ارومی اور توریس گھاٹی کے جزری اور نیوزی لینڈ کے ماوری باشندے شامل ہیں[۲]۔

(ب) یورپ میں مسلمان: مختلف ذرائع کے مطابق فی الحال یوروپی یونین کے ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰/ سے ۱۶/ ملین کے درمیان ہے[۳]۔ جب کہ ۱۹۹۵ء کے اوائل تک ان ملکوں کے باشندوں کی مجموعی تعداد ۳ء۶۹۶ ملین تھی، توقع ہے کہ اگلے پچیس سالوں میں

۱۔ القضاء علی جمیع أشکال التعصب، حوالہ بالا۔ صفحہ ۴۰۔

۲۔ جنیوا، سوئزرلینڈ میں واقع اقوام متحدہ کے دفتر کا ہیومن رائٹس سینٹر۔ دستاویز نمبر ۹، عنوان: ''حقوق الشعوب السکان الأصلیین'' صفحہ ۱۔

۳۔ ان میں ۲ء۲ ملین ترکی ہیں، ملاحظہ ہو اخبار ''الشرق الاوسط'' (لندن) تاریخ ۹/۵/۱۹۹۹ء، اور ۱۹۹۸ء کے اعداد وشمار کے مطابق یہ تعداد ۳۱ء۴ ملین ہے، جو مجموعی آبادی کا ۳ء۴ فی صد ہے، برخلاف مشرقی یورپ کے، (World Almanac and Book of Facts-2000)۔

Marfat.com

مسلمانوں کی تعداد ۲۵ /ملین سے ۶۵ /ملین تک جا پہنچے گی، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یورپ کی دیگر قوموں کی تعداد میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو رہا۔ اسی طرح یہ بھی امید کی جا رہی ہے کہ بحر ابیض متوسط کے ساحل پر واقع یورپی ممالک کے باشندوں کی تعداد بڑھ کر ۱۶ /ملین ہو جائے گی، ان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور یہ لوگ تیز افزائش نسل میں ممتاز مانے جاتے ہیں[1]۔

(ج) امریکہ میں مسلمان: ۱۹۶۰ء میں شمالی امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ تھی، جو اب چالیس سالوں میں بڑھ کر ۶ / سے ۸ /ملین ہو چکی ہے، امریکہ ہجرت کرنے والوں میں ۱۴ فیصد مسلمان ہیں، اور جو امریکی اسلام قبول کر رہے ہیں، وہ الگ ہیں، امریکہ میں اسلام کسی بھی مذہب کے مقابلہ زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے[2]۔

ایک جائزہ کے مطابق، اسلام، بیشتر سیاہ فام امریکیوں کا پسندیدہ مذہب بن چکا ہے اور ان میں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین ہے جن میں بیشتر مرد ہیں[3]۔

امریکہ کے ایک اسلامی اہل کار کہتے ہیں کہ اس وقت امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد دس ملین سے تجاوز کر چکی ہے، جن میں سے ۱۵ ہزار مسلمان امریکن آرمی میں مختلف طرح کے عہدوں پر فائز ہیں، مساجد ۲ ہزار اور باقاعدہ مدارس ۲۲۰ ہیں، علاوہ ازیں سیکڑوں وہ مدارس ہیں جو چھٹیوں میں عربی زبان کی تعلیم کا اہتمام کرتے ہیں[4]۔

---

[1] جریدہ ''الحیاۃ'' لندن، جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۴ تاریخ ۲۶ / ۴ / ۱۹۹۹ء بحوالہ کتاب ''یورپ اور اسلام'' مؤلف: انغمار کارلسن، یہ کتاب ۱۹۹۴ء میں سویڈن کی سب سے بہتر کتاب کا ایوارڈ حاصل کر چکی ہے۔

[2] جریدہ ''الشرق الأوسط'' (لندن) تاریخ: ۲۳ / ۷ / ۱۹۹۷ء بحوالہ انٹرویو ڈاکٹر جھودار بنہاروز ناظم اعلی، امریکی یونیورسٹی براندیز، یہ انٹرویو اسرائیلی جریدہ جیروولیم پوسٹ کے شمارہ میں شائع ہوا۔ جریدہ ''الشرق الاوسط'' (لندن) ۲۵ / ۷ / ۲۰۰۰ء اقتباس از انٹرویو ڈاکٹر احمد شریف، صدر امریکی اسلامی کونسل۔

[3] ABC News، یہ رپورٹ BIC News چینل سے ۱۳ر دسمبر ۱۹۹۷ء میں نشر کی گئی، اس کے بعد دوبارہ ۲۶ر فروری ۱۹۹۹ء میں نشر کی گئی۔

[4] جریدہ ''العربی'' قاہرہ، ۱۴ر ۱۲ر ۱۹۹۸ء امریکہ میں اسلامی یونین کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری ڈاکٹر احمد =

Marfat.com

(۲) امریکہ میں مسلمان چار خطوں میں آباد ہیں۔ نیویارک، نیوجرسی اور عام طور پر مشرقی خطے میں، یہاں ان کی آبادی کا تناسب ۲ء۳۲ فیصد ہے، اس کے بعد جنوب میں فلوریڈا اور ٹکساس میں، یہاں ان کی شرح آبادی ۳ء۲۵ فیصد ہے، تیسرے نمبر پر بحیرۂ اعظم کا علاقہ میشیگن اور ینوی ہے، یہاں ان کی آبادی کا تناسب ۳ء۲۴ فی صد ہے، اور سب سے اخیر میں مغرب میں کیلیفورنیا ہے، جہاں ان کی آبادی ۲ء۱۸ فی صد ہے[۱]۔

(۳) امریکہ میں عرب ''دہشت گردی مخالف قانون'' کے شکار ہیں، جس کی رو سے کوئی بھی ایسا شخص جس کے عمومی خدوخال سے عربی النسل ہونے کا پتہ چلتا ہو اسے گرفتار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح ایک دوسرے قانون کے مطابق کسی بھی شخص کو، وجہ بتائے بغیر گرفتار اور قید کیا جاسکتا ہے، اور اپنے وکیل سے رابطہ سے بھی روکا جاسکتا ہے۔

(د) **ہندوستان میں مسلمان:** ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۸۰ سے ۱۳۵ ملین کے درمیان ہے، جو یہاں کی مجموعی آبادی (ایک ارب) کے تناسب سے ۱۲ سے ۲۰ فیصد کے درمیان ہے، اس کی صراحت مختلف ذرائع نے کی ہے:

۱۹۹۷ء کی ایک رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی کل آبادی ۱۳۵۳۴۹۶۴۸ ہے اور مجموعی آبادی ۹۶۶۷۸۳۱۷۱ ہے، یعنی ۱۴/ فی صد مسلمان، ۸۰/ فیصد ہندو، ۲ء۴/ فیصد عیسائی، ۲/ فی صد سکھ اور ۷ء۱/ فی صد بدھشٹ، ۵ء۰ فیصد جینی اور ۴ء۰ فیصد دیگر قومیں ہیں[۲]۔

۲۰۰۰ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں مختلف قوموں کی آبادی کا تناسب کچھ اس طرح ہے، مسلمان ۷ء۱۲/ فیصد، ہندو ۴ء۸۲/ فی صد، عیسائی ۳ء۲/ فیصد، سکھ ۲/ فی صد،

= محمود طاب کے انٹرویو سے ماخوذ۔

۱ مصطفیٰ خلفی، الرباط، اسلام آن لائن، ۲۴/ ۱۲/ ۲۰۰۰ء۔

۲ CIA World Fact Book Website (Viewed Aug. 1998.)
(http.www.adherents.com Na 263 html)

Marfat.com

بدھ مت کے پیروکار ۷ء۰ فیصد، جین مت کے ماننے والے ۴۵ء۰ فیصد اور ۴ء۰ فیصد پارسی، یہودی اور بہائی ہیں۔ ۹۰ فیصد مسلمان سنی ہیں اور ۱۰ فی صد شیعہ، ہندو اور مسلمان تمام صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں، البتہ چھ صوبوں، اتر پردیش، بہار، مہاراشٹر، مغربی بنگال، آندھرا پردیش، اور کیرالہ میں مسلمانوں کی تعداد قابل ذکر ہے، جموں وکشمیر میں مسلمان اکثریت میں ہیں، عیسائی کئی صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں البتہ تین چھوٹے صوبوں میں اکثریت میں ہیں، سکھوں کو صرف ایک صوبہ میں اکثریت حاصل ہے۔

ہندوستان میں مذہبی اقلیتیں، اپنے شخصی اور عائلی مسائل کے تعلق سے خصوصی قوانین رکھتی ہیں[1]۔

ہندوستان میں مسلمانوں کو روئے زمین پر انڈونیشیا کے بعد دوسری بڑی اسلامی آبادی تصور کیا جاتا ہے۔ پارلیامنٹ میں ان کی سب سے زیادہ نمائندگی ۱۹۸۰ء میں تھی جب ان کی سیٹیں ۴۷ تھیں، اس کے بعد ۱۹۹۸ء میں ۳۰ سیٹوں پر مسلمان فائز ہوئے، یعنی پارلیامنٹ میں ان کی نمائندگی آبادی کے تناسب سے مطلوبہ تعداد کی ایک تہائی سے بھی کم رہی، اس کا سبب یہ ہے کہ قومی پارٹیاں مسلمانوں کو ٹکٹ دینے میں بخیل واقع ہوئی ہیں، جب کہ دوسری طرف مسلم دشمن پارٹیاں، طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنا کر ان کے ووٹوں کو منتشر کرنے میں لگی رہتی ہیں[2]۔

(ھ) سوئس یونین (Swiss Union) : سوئس یونین میں تین نسل اور زبان کے عناصر شامل ہیں، جرمنی، فرانسیسی اور اطالوی، اسی طرح یہ یونین دو مسیحی فرقوں میں منقسم ہے،

---

[1] USA.State Department Web site:2000 Annual Report on International Religious Freedom: India.p23

[2] طاہر بیگ:المشاركة الإسلامية فی التحول الاقتصادی الهندی، ندوة الأقليات المسلمة فی العالم، ظروفها المعاصرة آلامها و آمالها. الرياض: چھٹی عالمی کانفرنس کی کارروائی رپورٹ جسے الندوة العالمية للشباب الإسلامی. ریاض نے ۱۹۸۶ء میں منعقد کیا، ط:دار الندوة العالمية للطباعة والنشر والتوزيع ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء، ج ۲ صفحہ ۷۱۴، ۷۱۵، ڈاکٹر ظفر اللہ خاں، اسلام آن لائن ۲۰/۱۰/۱۹۹۹ء۔

Marfat.com

کیتھولک اور پروٹسٹنٹ، یہ ایک وفاقی ریاست ہے جو ۲۴ر علاقائی حصوں پر مشتمل ہے۔

(و) لبنان: لبنان ایک بالکل مختلف نمونہ پیش کرتا ہے، وہاں مسلمان ۵۸ر فیصد ہیں، جو سنی (۶۵۰,۰۰۰)، شیعہ (۸۰۰,۰۰۰) اور درویز (۲۲۵,۰۰۰) میں بٹے ہوئے ہیں، جب کہ عیسائی ۴۲ر فیصد ہیں اور مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، جیسے موارنہ (۶۵۰,۰۰۰) رومی آرتھوڈکس (۳۵۰,۰۰۰) رومی شاہی کیتھولک (۲۵۰,۰۰۰) کلدانی کیتھولک (۱۰۰,۰۰۰) اور آرمینیائی کیتھولک (۲۱۰ ۰۰۰)[1]۔

ایک دوسرے اندازہ کے مطابق مسلمان ۷۰ر فی صد ہیں، عیسائی ۳۰ر فی صد، مسلمانوں میں شیعہ، سنی، درویز کے ساتھ علوی اور اسماعیلی بھی شامل ہیں، عیسائیوں میں ۱۱/ فرقے ہیں، ۴/ ارتھوڈکس میں، ۶/ کیتھولک میں اور ایک پروٹسٹنٹ، ان کے علاوہ آشوری نسطوری، کلدانی اور یہود ہیں، جنہیں ملا کر فرقوں کی تعداد ۱۸/ ہو جاتی ہے۔ بہائی، بودھ اور ہندو آزادی سے بہرہ ور ہیں، اگر چہ اس کا اعتراف نہیں کرتے[2]۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو عربی زبان سرکاری زبان ہے، لیکن ساتھ ہی فرانسیسی اور آرمنی کا بھی رواج ہے۔

نسلی اعتبار سے وہاں ۹۳ر فیصد عرب ہیں، جب کہ ۶ر فیصد آرمینیائی اور ایک فیصد کرد۔

۱۹۴۳ء کے قومی میثاق کے مطابق، مارونی فرقہ (شامی عیسائیوں کا ایک فرقہ) ملک کے بہت سے اعلیٰ عہدوں جیسے صدر جمہوریہ، فوجی سربراہ اور وزارت وحکومت کے کئی بڑے اور اہم عہدوں پر فائز ہیں۔ البتہ پارلیمانی کونسل کے صدر کا شیعہ ہونا ضروری ہے، جب کہ وزارت عظمیٰ

---

[1] فادی سلامہ (کتاب: الملل والنحل والأعراف)۔ پانچویں سالانہ رپورٹ ۱۹۹۸ء، قاہرہ، مرکز ابن خلدون للدراسات الإنمائية، ط: دار الأمين للنشر والتوزيع ۱۹۹۸ء، صفحہ ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۲-۲۱۴۔

[2] حوالہ سابق. CIA World Fact Web، امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء۔

Marfat.com

کا عہدہ سنیوں کے لئے خاص ہے[1]۔ ۱۹۸۹ء میں ''اتفاق الطائف'' کے نام سے معروف قومی وفاق کے معاہدہ نے بھی فرقہ وارانہ نظام پر کوئی پابندی نہیں لگائی، البتہ مرحلہ وار اسے ختم کرنے کی سفارش کی ہے، ۱۹۹۰ء میں بنیادی اصول پر مبنی ایک دستور سامنے آیا لیکن اب تک اس پر عمل شروع نہیں ہوسکا ہے[2]۔

دوسری جانب لبنان میں چونکہ مختلف فرقے ہیں اس لئے طبعی طور پر عائلی قوانین بھی متعدد ہیں، ۱۹۹۷ء میں سول میرج ایکٹ جاری ہوا، لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں نے یکساں طور پر اسے مسترد کردیا[3]۔

(ز) شام میں مسلمان: شام میں مسلمان ۸۷٪ فی صد ہیں، جن میں ۱۱٪ فیصد نصیری یا علوی اور ۳٪ دروز ہیں، عیسائی ۱۲٪ فیصد ہیں، اور ایک دوسرے سروے کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۱۴/ ملین ہے، اور وہ کل آبادی کا ۹۰٪ فی صد ہیں[4]۔

سرکاری زبان عربی ہے، البتہ کردی، آرمینی اور سوریانی بھی استعمال ہوتی ہیں۔ نسلی اعتبار سے عرب ۸۸٪ فی صد، کرد ۷٪ فی صد، آرمینیائی ۳٪ فی صد اور ترک اور آشوری ۲٪ فی صد ہیں۔

(ح) کرد: کرد قوم نسلی اور لسانی اعتبار سے ہند آریائی یوروپین قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے، یہ ایران، عراق، شام، ترکی اور جنوب آرمینیا کے ایک بڑے خطہ میں آباد ہے، اس پورے خطہ کو کردستان یعنی کردوں کا وطن کہا جاتا تھا۔ اس کی معلوم تاریخ تین ہزار سال پرانی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد انگلینڈ اور فرانس کے درمیان طے پانے والے'' سائکس

---

۱ فادی سلامۃ: '' الملل والنحل والأعراف''، حوالہ بالا ۲۰۳، ۲۱۱، ۲۱۲۔

۲ فیولیت داگر: '' الطائفیة و حقوق الإنسان'' قاہرہ، مرکز القاهرة لدراسات حقوق الإنسان ۱۹۹۵ء، صفحہ ۲۷، ۲۹، اور فادی سلامہ، حوالہ بالا، ص ۲۲۷

۳ فادی سلامہ: حوالہ بالا صفحہ ۲۲۳۔

۴ ک، ف، ابن محمد نور: Adherents، حوالہ سابق۔

Marfat.com

بیکو'' نامی معاہدہ نے کردستان کو تقسیم کر کے پانچ ملکوں میں بانٹ دیا، ترکی کے حصے میں ۱۰ ملین آبادی ، اور ۱۹۴۰۰۰ کلو میٹر زمین کا رقبہ آیا، ایران کے حصہ میں ۷ ملین افراد اور ۱۲۵۰۰۰ کلومیٹر زمین کا رقبہ آیا۔ عراق کو ۵ ملین افراد، اور ۷۲۰۰۰ کلومیٹر زمینی رقبہ ملا، شام کو ۵ لاکھ افراد اور ۱۸۰۰۰ کلومیٹر زمین کا رقبہ ملا، سوویت یونین کو ایک ملین افراد اور ۱۸۰۰۰ کلو میٹر کا رقبہ ملا، لبنان کو ۲ لاکھ[1] اور جرمنی کو چھ لاکھ ترک کرد ملے[2]۔

مجموعی تعداد کے سلسلہ میں اعداد وشمار کا اختلاف ہے اور ۲۳۰ ملین سے لے کر ۲۸ ملین تک کے مختلف اندازے ہیں[3]۔ البتہ کردوں کی بھاری اکثریت سنی مسلمانوں کی ہے جب کہ شیعہ اقلیت میں ہیں۔

کردی زبان، مختلف لہجات کا مجموعہ ہے۔

درج ذیل ملکوں میں مجموعی آبادی کے لحاظ سے کرد آبادی کا تناسب کچھ اس طرح ہے، ترکی میں ۹٪، ایران میں ۶٪، عراق میں ۱۸٪، شام میں ۷٪ اور لبنان میں ۱٪۔

(ط) سوڈان: سوڈان میں جنوبی باشندوں کی تعداد ۶,۸۴۱,۰۰۰ ہے جو سوڈان کی مجموعی آبادی کا ۲۵٪ ہے۔ ان میں تین قبائل اہم ہیں: دینکہ، شلک، اور نویر، کچھ دوسرے فرقے بھی ہیں لیکن ان کی کچھ خاص اہمیت نہیں، سوڈان میں تقریباً ۳۰ مختلف لہجے یا مختلف زبانیں ہیں، لیکن وہ لوگ اپنے باہمی تبادلہ خیال کے لئے ان سب زبانوں کا چربہ استعمال کرتے ہیں، یا پھر

---

[1] سلیمان شفیق: ''تقریر الملل والنحل والأعراف'' حوالہ سابق صفحہ ۱۱۷، ۱۵۷، ۱۸۲۔

[2] جریدہ ''الشرق الاوسط'' لندن، ۹/۵/۱۹۹۹ء۔

[3] جریدہ ''الحیاۃ'' لندن، ۴/۴/۱۹۹۹ء۔ بحوالہ: صبری سیجال: ''الأکرادوتاریخہم'' فرانسیسی زبان میں، پیرس ۱۹۹۹ء ایک دوسرے سروے کے مطابق ۱۹۹۰ء میں کردوں کی مجموعی تعداد ۱۲ء۱ ملین سے لے کر ۲۵ء۳ ملین کے درمیان ہے، ملاحظہ ہو رفیق البستانی اور عرب دانشور فلپ فارج کی کتاب: أطلس معلومات المجتمع والجغرافیا السیاسیة، ط: دار المستقبل العربی ۱۹۹۴ء، صفحہ ۳۵۔

Marfat.com

عربی زبان، ان کی عربی ''عربی جوبا'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ۱۹۵۵ء میں جنوب وشمال کے درمیان کشمکش پیدا ہوئی تھی جو تا ہنوز جاری ہے اور جس میں ۶۵۰,۰۰۰ لوگ اپنی جانیں گنوا چکے ہیں[1]۔

مجموعی آبادی کا ۴٪ عیسائی ہیں، ۱۳٪ بدائی مذاہب کے ماننے والے ہیں اور ۸۳٪ مسلمان[2]۔

جنوبی اور شمالی سوڈانی باشندوں کے درمیان کوئی نسلی، مذہبی یا لسانی رشتہ نہیں ہے۔ انہیں جوڑنے والی چیز یا تو ہم وطنیت ہے یا سیاسی یکسانیت، جسے لامرکزی سیاست یا وفاقی سیاست میں تبدیل کر کے کشمکش کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

(ی) ایران: ایران میں فارسی ۶۶٪، ترک ۱۲٪، بلوچ ۵٪، کرد ۶٪ اور عرب ۴٪ ہیں۔ ان میں مسلمان ۹۸٪ ہیں۔ البتہ ان کے مسالک مختلف ہیں۔ سنی ۸٪ ہیں، بھاری اکثریت شیعہ کی ہے، وہ ۹۰٪ ہیں[3]۔

(ک) بربر: بربر خاص طور پر شمالی افریقہ میں ہیں، مراکش میں ۴۳٪ اور جزائر میں ۲۳٪، بربر اور دیگر باشندوں کے درمیان قدر مشترک عربی زبان ہے، ساتھ ہی ان کی خاص زبان ''امازیغی'' بھی ان میں رائج ہے، جسے فرانسیسی سامراج عربی زبان کے بدل کے طور پر رواج

---

[1] عصمت عبدالمنعم: تقرير الملل والنحل والأعراف۔ حوالہ سابق ۱۱۷۔

[2] ڈاکٹر عادل طہ یونس: ''العالم الإسلامی الیوم، القاهرة، مكتبة ابن سينا ۱۹۹۰ء، صفحہ ۴۷۔ ایک دوسرے سروے کے مطابق عرب ۴۰٪ ہیں لیکن ۵۲٪ لوگ عربی بولتے ہیں (رفیق بستانی، حوالہ بالا صفحہ ۳۶) ایک تیسری رپورٹ میں مسلمانوں کی تعداد ۳۰ ملین بتائی گئی ہے یعنی وہ کل آبادی کے ۷۷٪ ہیں (ک، ف، ابن محمد نور، حوالہ سابق) سروے برائے مسلمان ۲۰۰۰ء بحوالہ (الموسوعة المسيحية للعالم باريت ۱۹۸۲ء)۔

[3] عادل طہ یونس، حوالہ بالا، صفحہ ۷۳، ۸۶۔

Marfat.com

دینے کی کوشش کررہا ہے۔ دیگر باشندوں سے انہیں جوڑنے والی ایک چیز ''مذہب اسلام'' بھی ہے، جس کے ماننے والے مراکش میں ۹۹٫۶ فیصد ہیں[1]، جب کہ جزائر میں ۹۹ فیصد[2]۔

(ل) ملیشیا: مختلف اعداد وشمار کے مطابق ملیشیا میں مسلمان ۵۰ تا ۵۵ فیصد ہیں، ان میں اکثر ملائی ہیں، باقی لوگ، پاکستانی، ہندوستانی مسلمان، ایرانی، چینی مسلمان، کادازان اور بوسینیائی پناہ گزیں ہیں۔

غیر مسلموں میں بودھ دھرم کو ماننے والے ۱۵٪، چینی ۱۵٪، ہندو ۷٪، سکھ ۱٪، عیسائی ۷٪، اور قدیم مذاہب کو ماننے والے ۱٪ ہیں[3]۔ ان میں بیشتر ہندستانی نژاد اور چینی نژاد ہیں جن کا تناسب بالترتیب ۹٪ اور ۳۲٪ ہے۔

زبان کے اعتبار سے ملاوی وہاں کی سرکاری زبان ہے۔ لیکن چینی، تمل، اور انگریزی زبان بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے[4]۔

(م): مصر میں قبطی: ۱۹۹۸ء کی رائے شماری کے مطابق قبطیوں کی تعداد (۳,۸۸۹,۴۶۶) ہے اور یہ کل آبادی کے ۶٪ ہیں، مسلمانوں کی تعداد (۶۰,۹۳۵,۰۰۰) ہے اور یہ کل آبادی کے ۹۴٪ ہیں، مصر کی مجموعی آبادی (۶۴,۸۲۴,۴۴۶) ہے[5]۔ رفیق بستانی کے اندازے کے مطابق قبطی ۵٫۹٪ ہیں[6]۔

قبطی پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، منیا، اسیوط، اور سوہاج میں ان کا تناسب زیادہ ہے، اور قاہرہ کے بعض محلوں میں تو ان کی گھنی آبادی ہے۔

۱۔ Barrett: World Christian Encyclopedia-1982.

۲۔ CIA World Fact Book-1998.

۳۔ Web site counil for world mission, reviewed 1999.

۴۔ ڈاکٹر عادل طہ یونس۔ حوالہ سابق، صفحہ ۷۳، ۷۹، ۸۸۔

۵۔ حوالہ سابق۔ CIA World fact book, web site viewed 1998.

۶۔ رفیق بستانی۔ حوالہ سابق صفحہ ۲۹۔

Marfat.com

ان کا اقتصادی وزن، ان کے عددی تناسب سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے، ان کا عددی تناسب ۶٪ سے زیادہ نہیں، جب کہ ان کا اقتصادی وزن ۴۰٪ کے قریب ہے[1]۔

ن: فلپین میں مسلمان: یہاں مسلم خطے کئی جزیروں پر مشتمل ہیں، جن کا رقبہ ۱۱۶,۸۹۵ کلو میٹر ہے، اور یہ پورے ملک کے کل رقبہ کا ایک تہائی سے زائد ہے۔ پورا ملک سات ہزار جزیروں پر مشتمل ہے، اسلامی خطوں کے باشندوں کی مجموعی تعداد ۲۱ ملین ہے، جن میں مسلمان سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۷ ملین، اور غیر سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ۱۸ ملین یعنی ۸۵٪ ہیں، ان خطوں کے بقیہ باشندے یا تو عیسائی ہیں یا آدی باسی ملحد[2]۔

امریکی رپورٹ کے مطابق ملک کی مجموعی آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کا تناسب ۶٫۴٪ سے ۷٪ کے درمیان ہے، کیتھولک عیسائیوں کا تناسب ۶۰٪ سے ۸۵٪ کے درمیان ہے۔ بقیہ باشندے یا تو دوسرے عیسائی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں یا پھر بدھشٹ اور ملحد ہیں[3]۔

(س) سابق وفاقی یوگوسلاویہ: سابق وفاقی یوگوسلاویہ چھ جمہوری ریاستوں پر مشتمل تھی:

(۱) صربیا: آبادی ۸ ملین، راجدھانی بلغراد، ۲ ملین مسلمان جن میں سے ۵٫۱ ملین صرب کے صوبہ کوسوو میں آباد ہیں اور ۵٫۰ ملین صرب کے دیگر خطوں میں۔

(۲) کرواتیہ: آبادی ۵ ملین، راجدھانی زغرب۔

(۳) سلووینیہ: آبادی ۲ ملین، راجدھانی للوبلیانہ۔

(۴) مقدونیہ: آبادی ۲ ملین، راجدھانی سکوبیہ، ان میں ایک ملین مسلمان ہیں۔

(۵) جبل اسود (مونٹنگرو): آبادی ایک ملین، راجدھانی تیتو جراد، ان میں ڈھائی لاکھ کے قریب

---

[1] ڈاکٹر محمد عمارۃ: ''المسألۃ القبطیہ'' قاہرہ ط: مکتبہ الشروق ۲۰۰۱ء، صفحہ ۸۸، ۸۹۔

[2] صہیب جاسم، فلپین: مسارات الحرب والسلام فی الجنوب المسلم، اسلام آن لائن ۳۰/۱/۲۰۰۱ء، صفحہ ۲۔

[3] امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء، حوالہ سابق (فلپین) صفحہ ۲، ۳۔

Marfat.com

مسلمان ہیں۔

(٦) بوسینیا اور ہرسک: آبادی ۵ ملین، راجدھانی سرائفو، ان میں چار ملین مسلمان ہیں۔ یوگو سلاویہ کی مجموعی آبادی ۲۵ ملین ہے جس میں ٦ ملین سے زائد مسلمان ہیں[1]۔

یوگوسلاویہ کے مسلمان تین قسم کے ہیں:

سلافی : یہ لوگ بوسینیا، ہرسک اور سنجق میں مقیم ہیں، سنجق کی راجدھانی بنی بازار ہے۔

جرمن : یہ لوگ جرمنی سے متصل علاقے، مقدونیہ اور کوسوو میں آباد ہیں۔

ترک : یہ لوگ یونان سے متصل جنوب کے آخری علاقہ میں رہتے ہیں۔

۱۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو سرائیفو کی پارلیامنٹ نے بوسینیا و ہرسک جمہوریہ کی آزادی کا اعلان کیا، ۹/ مارچ ۱۹۹۲ء کو صورت حال دھماکہ خیز ہوگئی اور بوسینیائی جمہوریہ پر صربیائی ظلم کا آغاز ہوگیا[2]۔

تیتو کے عہد میں ۱۹۴٦ء کا دستور اس بات کی صراحت کرتا تھا کہ تمام قوموں، نسلوں اور مذاہب کے درمیان مکمل مساوات ہوگی، اسی طرح دستور کے دفعہ نمبر ۱ میں عوام کو اپنے مستقبل کے متعلق فیصلہ کرنے کا پورا اختیار دیا گیا تھا، جس کے ضمن میں یہ بھی تھا کہ انہیں علیٰحدگی کا اختیار ہوگا۔ ۱۹۷۴ء میں ایک دوسرا دستور بنا، جس نے کوسوو کو آزاد حکومت کا خطہ قرار دیا، اور اسے

---

[1] ڈاکٹر عدنان علی رضانحوی: ملحمة البوسنة والهرسك، الجريمة الكبرىٰ۔ الرياض۔ ط: دارالنحوى للنشروالتوزيع، پهلى طباعت ۱۴۱۳ھ۔ ۱۹۹۳ء، صفحہ ۳۱، ۳۲۔ عبدالله مبشر الطرازى: صفحات من تاريخ جمهورية البوسنة والهرسك ۔جدة، كلية آداب، ۱۴۱۳ھ ۔ ۱۹۹۲ء، صفحہ ۲۰، ۲۱، ۳۲، نیز لاروس کی لغت "العقائد والأديان" میں ہے کہ مسلمان کل آبادی کا دس فیصد ہیں، میخائل اسائی، اخبار الدراسات الدينية، مئی ۱۹۹۴ء، جلد ۹، شمارہ ۲ صفحہ ۴، ۵۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق صربیا اور مونٹنگرو میں مسلمان ۲ ملین ہیں جو کل آبادی یعنی ۱۱ ملین کا ۱۹٪ ہیں (CIA . World Fact Book Website 1988).

[2] النحوی: حوالہ سابق، صفحہ ۳۳-۳۴۔

Marfat.com

قانون، پارلیامنٹ اور آزاد حکومت واقتدار کا حق دیا۔اس کے لئے سرحد کا اعتراف کیا گیا، جس میں ردو بدل اس کی منظوری کے بغیر نہیں ہوسکتی، لیکن ۱۹۸۹ء میں صربیائی پارلیامنٹ نے، ایک قرارداد پاس کر کے، ۱۹۷۴ء کے دستور کے مطابق وجود میں آنے والے کوسوو کو کالعدم قرار دے دیا، اور ۱۹۹۰ء میں صاف اعلان کر دیا کہ کوسووصربیائی حکومت کے ماتحت ایک صوبہ ہے، ردعمل میں جرمنی نے ۲ر جولائی ۱۹۹۰ء کو کوسووکی آزادی کا اعلان کر دیا اور ۷ر ستمبر ۱۹۹۰ء کو باقاعدہ ''جمہوریہ کوسوو'' کی تشکیل دے دی، یہ سب کچھ ایک استصواب رائے کے بعد کیا گیا جس میں وہاں کے ۹۰٪ باشندوں نے شرکت کی[1]۔

اس کے ردعمل میں صربیا نے ایسی وحشیانہ درندگی کا مظاہرہ کیا، کہ کوسووکر زاٹھا، اور اٹلانٹک کی فوجیں اپنی عادت کے مطابق اندر تک گھس گئیں۔

(ع) بیلجیم میں مسلمان: بیلجیم میں تقریباً ۳۵۰،۰۰۰ مسلمان ہیں جو کل آبادی یعنی ۹٫۹ ملین کا ۳٫۵ فیصد ہیں[2]۔

بیلجیم کی حکومت نے اسلام کو ایسے مذہب کی حیثیت سے تسلیم کرلیا ہے جس کے ماننے والوں کی تعداد اس ملک میں عیسائیوں کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔اس اعتراف کے بعد مسلمانوں کو یہ حق مل گیا کہ وہ بیلجیم کے اسکولوں میں اسلامی تعلیم حاصل کریں اور مسلمانوں کے لئے خاص اسلامی مدارس قائم کریں[3]۔ بلکہ اس سے بھی آگے، بیلجیم کی

---

[1] ڈاکٹر نادیہ مصطفیٰ، '' أزمة كوسوفا بين الذاكرة والأزمة الراهنة'' یہ مضمون'' تقرير أمتى فى العالم ۱۹۹۹ء'' میں شائع ہوا، صفحہ ۵۶۷۔

[2] بیلجیم سے متعلق امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء کے مطابق، حوالہ سابق۔

[3] ڈاکٹر عبد المحسن بن سعد الداؤد، '' هموم الأقليات المسلمة فى العالم''، اس کتاب میں مسلم اقلیتوں کے حالات کا دستاویزی اور تاریخی جائزہ لیا گیا، اور اقلیتوں کی خدمت کے تعلق سے سعودی حکومت کی کوششوں کو سراہا گیا ہے، ط: الرياض، الهيئة العامة للكتاب ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۲ء صفحہ ۱۴۱۔

Marfat.com

حکومت نے ۱۳ ردسمبر ۱۹۹۸ء کو غیر ملکی مسلمانوں کے درمیان الیکشن کرایا تا کہ ایک خصوصی یونٹ تشکیل دی جائے جو ان کے معاملات کی دیکھ رکھ کرے اور حکومت کے سامنے ان کی نمائندگی کرے۔

(ف) فرانس میں مسلمان: فرانس میں ۴ ملین سے زیادہ مسلمان ہیں جو کل آبادی کا ۶٫۹ فیصد ہیں، کیتھولک کے بعد اسلام دوسرا بڑا مذہب ہے، اس کے بعد پروٹسٹنٹ ہیں، جو ۲ فیصد ہیں، اس کے بعد یہودی اور بودھ ہیں جو بالترتیب ایک ایک فیصد ہیں، فرانس میں اب تک مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ تنظیم وجود میں نہیں آسکی ہے، جیسا کہ بیلجیم میں ہوا، کیوں کہ وہاں مسلمان داخلی افتراق وانتشار کے شکار ہیں[1]۔

(ص) فلسطین: (۱) عادل طہ یونس کے اندازے کے مطابق[2] پوری دنیا میں فلسطینیوں کی تعداد ۴,۲۵۰ ملین ہے، جن میں سے ۶۵۰ ہزار صہیونی سلطنت میں ہیں، ایک ملین مغربی پٹی میں، ۵۰۰ ہزار غزہ کے علاقے میں اور ۲ ملین سے زیادہ افراد مشرق وسطیٰ کے ممالک، یورپ اور امریکہ میں ہیں۔

(۲) رفیق بستانی کے اندازے کے مطابق[3] دنیا بھر میں فلسطینیوں کی تعداد ۵,۸۵۶ ملین ہے، جن میں سے ۷۲۴ ہزار صہیونی سلطنت میں ہیں، ۱,۱۰۴ ملین مغربی پٹی میں، ۶۱۳ ہزار غزہ کے علاقہ میں، ۳,۲۳۲ ملین عرب ممالک میں اور ۱۸۲ ہزار دنیا کے بقیہ علاقوں میں رہتے ہیں۔

(۳) انٹرنیٹ پر CIA کی ویب سائٹ کے مطابق[4] صہیونی حکومت کی نیشنلٹی رکھنے والے

---

[1] جریدۃ ''الحیاۃ'' (لندن) ۲۲ر ۴ر ۱۹۹۴ء، جریدۃ ''لوموند'' رائے شماری ۱۹۹۸ء، امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء (فرانس) صفحہ ۲، ۳۔

[2] عادل طہ یونس: العالم الإسلامی الیوم، حوالہ سابق، صفحہ ۷۴۔

[3] رفیق بستانی اور دوسرے لوگ، حوالہ سابق صفحہ ۱۱۸۔

[4] حوالہ سابق، CIA World Fact Book Web Site۔

Marfat.com

لوگوں کی مجموعی تعداد ۵,۵۳۴,۶۷۲ ہے، جن میں ۸۲٪ یہودی ہیں۔ ان یہودیوں میں سے ۱۳۶,۰۰۰ مغربی پٹی میں آباد ہیں، ۱۵,۰۰۰ مقبوضہ گولان کی پہاڑیوں پر، ۵,۰۰۰ غزہ کے علاقہ میں، ۱۵۶,۰۰۰ مشرق قدس میں اور ۴,۲۲۵ ملین صہیونی علاقہ میں آباد ہیں، ۱۴٪ مسلمان ہیں، ان کی تعداد ۷۷۴,۸۵۴ ہے، ۲٪ عیسائی اور ۲٪ درویز اور دیگر مذاہب کے لوگ ہیں۔

Marfat.com

دوسری بحث

اقلیتوں کو درپیش حقیقی مسائل

Marfat.com

Marfat.com

اقلیتوں کو درپیش حقیقی مسائل

اقلیتوں کے حقوق کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک عام حقوق جو انسانی حقوق کے ذیل میں آتے ہیں اور جن سے فیض یاب ہونے کا اقلیتوں کو ویسا ہی حق ہے جیسا دیگر لوگوں کو، دوسرے وہ حقوق جو اقلیتوں کے لئے خاص ہیں، یہ درج ذیل ہیں:

(۱) وجود کا حق : اس حق کی حمایت میں ایک معاہدہ عمل میں آیا جس کی رُو سے اجتماعی استیصال کو سنگین جرم قرار دے کر ممنوع قرار دیا گیا۔

(۲) تفریق سے تحفظ کا حق : تفریق سے تحفظ کی خاطر کئی قراردادیں پاس ہوئیں، جیسے ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کی میثاق، ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کے عالمی منشور کا اجراء، ۱۹۶۶ء میں انسانی حقوق کی دو قراردادیں (دفعہ نمبر ۲)، ۱۹۶۰ء میں یونسکو قرارداد اور ۱۹۶۵ء میں ہر قسم کی نسلی تفریق کے خاتمہ سے متعلق بین الاقوامی قرارداد کی منظوری۔

(۳) حق خود اختیاری : اس حق کے تحفظ کی خاطر بھی بین الاقوامی طور پر متعدد منشور شائع ہوئے، اور کئی ایک قراردادیں منظور کی گئیں[1]۔

ان حقوق پر مزید بحث ہم ان شاء اللہ مناسب مقامات بالخصوص بین الاقوامی قانون کی خصوصی بحث میں کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد اقلیتوں کے کچھ زمینی حقائق کو بیان کرنا ہے، چنانچہ ہم ان اصولوں سے بھی تعرض نہیں کریں گے جو ان حالات میں فیصل کا کردار ادا کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو، وائل علام، حوالہ سابق، صفحہ ۸۵۔۲۰۸۔

Marfat.com

ہم نے اس مقالہ کے لئے جو صفحات مختص کئے ہیں ان میں ان احوال اور مثبت مظاہر کے بیان کی گنجائش نہیں جو اقلیتوں کے حقوق سے فیض یاب ہونے میں معاون ہو سکتے ہیں، اور اصل یہ ہے کہ اقلیتیں ہی نہیں، بلکہ سبھی لوگ اپنے اپنے حقوق سے بہرہ ور ہوں، ہم یہاں صرف ان مسائل کو قلم بند کریں گے جن سے اقلیتیں دوچار ہیں اور جنہیں متعدد عناوین کے ذیل میں بیان کرنا ممکن ہے...

اول: اقلیتیں انضمام و امتیاز کے شکنجہ میں

کسی بھی اقلیت کے لئے، درجات کے تفاوت کے ساتھ، اصل مسئلہ یہ کشمکش ہے کہ اکثریتی طبقہ میں ضم ہو جائے یا اپنے خصوصی تشخص کے ساتھ ممتاز رہے؟

اکثریتی فرقہ اصولی طور پر خواہاں ہوتا ہے کہ اقلیت اس میں ضم ہو جائے[1] اور اگر اقلیت میں انضمام کی قابلیت ہے تو اکثریتی طبقہ کی یہ خواہش پوری بھی ہو جاتی ہے، کبھی تو پوری طرح کہ اقلیت اپنی شناخت کھو کر تاریخ کا ایک حصہ بن جاتی ہے، اور کبھی جزئی طور پر کہ جس حد تک اقلیت و اکثریت کی ہم آہنگی اجازت دیتی ہے اس حد تک اقلیت اکثریت میں مدغم ہو جاتی ہے۔ درحقیقت یہ انضمام اس امر پر موقوف ہے کہ اقلیت اپنی بعض خصوصیات سے دست بردار ہونے پر کس حد تک تیار ہے اور اس میں کتنی لچک پائی جاتی ہے۔ اسی طرح اکثریت، معاشرتی تکثیر کو کتنا قبول کر سکتی ہے، اور اس مقصد کے لیے بعض خصوصیات کو انفرادیت سے اشتراکیت میں کس قدر منتقل کر سکتی ہے؟

چوں کہ اقلیت اور اکثریت کی اپنی خصوصیات سے دست برداری مختلف مراتب کی رہی ہے اس لئے لازمی طور پر اس کے عملی نمونے مختلف ہوئے ہیں۔

اسی طرح اقلیتی یا اکثریتی طبقہ کی اپنی خصوصیات سے دست برداری، اس کے تمام افراد کی

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودیؒ: اسلامی ملک میں ذمیوں کے حقوق، دارالفکر، صفحہ ۳-۷۔

Marfat.com

اتفاق رائے سے عمل میں نہیں آتی ، اس لئے دونوں طرف کے وہ لوگ، جو اس ہم آہنگی کے فارمولہ کو مسترد کرتے ہیں، وہ اس ہم آہنگی کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں، اور مسئلہ کسی ٹائم بم کی طرح ہو جاتا ہے کہ مناسب ماحول ملے اور وہ پھٹ پڑے۔

دوم: تفریق کا دستوری معیار

عام طور پر دستوروں میں، اہل وطن کے درمیان تفریق کے تین معیار بیان کئے گئے ہیں، مذہب، نسل یا قومیت اور زبان۔

تفریق کے یہ معیار بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ تفریق کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان معیاروں کو بیان کر رہے ہیں، ان کے قانونی اور حقیقی نتائج سے انشاء اللہ ہم بعد میں بحث کریں گے۔

(۱) مذہب سے متعلق تفریق کے قانون کی مختلف صورتیں:

کچھ ممالک نے اپنے دستور میں ملک کے سرکاری مذہب کی صراحت کی ہے جیسے عراق (دفعہ نمبر ۳) اردن (دفعہ نمبر ۲) کویت (دفعہ نمبر ۲) صومالیہ (دفعہ نمبر ۱) لیبیا (دفعہ نمبر ۵) تیونس (فصل اول) مراکش (فصل ششم) پاکستان، قطر اور کوستاریکہ۔

(۲) کبھی دستور میں صرف متعین مذہب کی صراحت نہیں ہوتی بلکہ اس مذہب کے کسی خاص مسلک کی بھی نشاندہی ہوتی ہے، جیسے ایرانی دستور میں جعفریہ مسلک کی صراحت ہے اور افغانستان کے دستور (دفعہ نمبر ۲) میں حنفی مسلک کی نشاندہی۔

(۳) کبھی دستور میں کچھ سرکاری گرجا گھروں کے وجود کی صراحت ہوتی ہے جیسے ڈنمارک، برطانیہ اور لوکسمبورج۔

(۴) کبھی ملک کے مذہب کی صراحت نہیں ہوتی البتہ صدر مملکت کے مذہب کی صراحت ہوتی

Marfat.com

ہے، جیسے شام، جس کے دستور کی دفعہ نمبر ۳ میں صراحت ہے کہ صدر مملکت کا مذہب اسلام ہو، اور جیسے افغانستان جس کے ۱۹۶۴ء کے دستور کی دفعہ نمبر ۸ میں صراحت ہے کہ ملک کا بادشاہ مسلمان حنفی مذہب ہو۔

(۵) اور کبھی مذہب کی صراحت ایک مختلف انداز میں ہوتی ہے جیسے انڈونیشیا، اس کے دستور کی دفعہ نمبر ا میں وضاحت ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، ہی انڈونیشیائی جمہوری نظام کا پہلا اور اعلیٰ ماَخذ ہوگا۔

(۶) کبھی کیتھولک کلیسا کے ساتھ کچھ معاہدات ہوتے ہیں جیسا کہ اٹلی (دفعہ نمبر ۷)، بولیویا اور کولمبیا میں ہے۔

(۷) کبھی کسی متعین مذہب کی نشاندہی نہیں ہوتی البتہ دین داری یا مذہبی رواداری کی صراحت ہوتی ہے، جیسے لبنانی دستور (دفعہ نمبر ۹) میں صراحت ہے کہ مملکت، خدا کی عظمتِ شان کے تقاضوں کو پورا کرے گی اور تمام مذاہب کا احترام کرے گی۔

(۸) کبھی کسی دستور میں ملی نظام کی صراحت ہوتی ہے جس میں ایک سے زائد مذہبی گروہوں کو تسلیم کیا جاتا ہے، جیسے اسرائیل۔

(۹) کبھی عقیدے کی آزادی کے احترام کی صراحت ہوتی ہے اور اس کی وضاحت بھی کہ مذہبی تربیت عام اسکولوں میں عمومی تعلیمی نصاب کا حصہ ہوگی اور یہ تعلیم حکومت کے زیر نگرانی ہوگی، جیسے اتحادی جرمنی کے دستور کی دفعہ نمبر ۴، ۷ میں۔

(۱۰) کبھی دستور میں آزادیٔ عقیدہ کے احترام کی صراحت ہوتی ہے، مملکت کے کسی خاص مذہب یا مذہبی تربیت کی صراحت نہیں ہوتی، جیسے امریکہ کے دستور میں (ترمیم اول) اور جیسے اسپانیا، پرتگال، چیکوسلوواکیا (دفعہ نمبر ۳۲) مشرقی جرمنی (دفعہ نمبر ۱۹، ۲۰) چین (دفعہ نمبر ۸۸) اور پولینڈ (دفعہ ۷۰) کے دستور میں ـــــــ ہندوستان (دفعہ نمبر ۲۵) اس سلسلہ میں

Marfat.com

منفرد ہے کہ اس کے دستور میں کسی بھی مذہب کو قبول کرنے، اس کے شعائر کو انجام دینے اور اس کی دعوت وتبلیغ کی پوری آزادی ہے۔

(۱۱) اس کے بالمقابل سوویت یونین کے دستور (دفعہ نمبر ۱۲۴) میں صراحت ہے کہ کلیسا کو مملکت اور اسکول میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، اور تمام باشندوں کو مذہبی شعائر انجام دینے اور لادینی پروپیگنڈا کی پوری آزادی ہوگی۔ (۱۹۹۷ء میں سوویت یونین میں ایک قانون پاس ہوا جو مذہبی آزادی کے لحاظ سے زیادہ کشادگی پر مبنی تھا، لیکن وہ قانون تاہنوز بے شمار تنقیدات کا شکار ہے)۔

(۱۲) عام طور پر سیکولر ممالک مذہب کے خلاف اس حد تک جانب داری نہیں اپناتے، بلکہ اس صراحت پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان کا ملک دستوری اعتبار سے سیکولر ہے اور کلیسا کو مملکت کے امور میں دخل کا اختیار نہیں، جیسے ہالینڈ، فرانس (دفعہ نمبر ۲)، وسط افریقہ (دفعہ نمبر ۱)، سنگال (دفعہ نمبر ۱)، کامرون (دفعہ ۱)، نائیجیریا (دفعہ ۳)، جابون (دفعہ ۳) ساحل عاج (دفعہ ۲)، کینیا (دفعہ نمبر ۱) وولٹا علیا (دفعہ نمبر ۲)، مالی (دفعہ نمبر ۱) اور مدغشقر (دفعہ ۲)۔

(۱۳) کبھی دستور میں مذہب کی کوئی صراحت نہیں ہوتی، جیسے یوگوسلاویہ۔

(۱۴) دین کے خلاف جانب داری برتنے میں صرف ترکی کا معاملہ سب سے الگ ہے (دفعہ نمبر ۲، ۱۹، ۱۵۳)، وہاں بعض قوانین دستور سے بھی بالا ہیں، مثلاً قبعہ پہننے کا قانون، ترکی حروف کا قانون، اور کچھ خاص قسم کے لباس پہننے کی ممانعت کا قانون[1]۔

''تعصب کے خطرات اور اس کی روک تھام کے طریقوں کی تلاش'' کے عنوان پر ایک مناقشہ کے دوران، اس مقصد کے تحت قائم ایک درسی حلقہ کے بعض مشارکین نے یوں اظہار

---

[1] ان توضیحات کے سلسلے میں ہم نے ''الموسوعة العربية للإساتير العالمية'' مجلس الأمّة المصری ط: الإدارة العامّة للتشريع والفتوى، مصر ۱۹۶۶ء اور ''القضاء على جميع أشكال التعصب'' کی رپورٹ پر اعتماد کیا ہے، حوالہ سابق۔

Marfat.com

خیال کیا کہ کسی مملکت میں سرکاری مذہب کا وجود، کبھی کبھی سرکاری طور پر اس تعصب کے اعلان کی طرح ہوتا ہے۔ جب کہ کئی دوسرے مشارکین نے زور دے کر یہ بات کہی کہ کچھ مذاہب مثلاً اسلام اور بودھزم وغیرہ سمجھتے ہیں کہ تعصب کی ہر شکل ان کے خاص بنیادی عقائد سے متصادم ہے۔

بعض مشارکین کا خیال تھا کہ کسی بھی مملکت میں رواداری کا وجود ممکن ہے، بشرطیکہ وہاں مادی اور روحانی سلطنت میں تفریق نہ ہو، اور قانونی طور پر مذہب یا عقیدہ کی آزادی موجود ہو، اور کسی بھی ملک کا سرکاری مذہب جو باہمی احترام اور آپسی مفاہمت پر یقین رکھتا ہو وہ رواداری اور مذہبی آزادی کا تحفظ کر سکتا ہے[1]۔

(ب) قومیت سے متعلق تفریق کا قانون:

(۱) کچھ ملکوں کے دستور میں اس قومیت کی صراحت ہوتی ہے جس سے عوام یا ان کی اکثریت منسوب ہوتی ہے جیسے عربی ممالک کے دستوروں میں یہ صراحت ہے کہ یہ ملک عربی ہے، یا عربی وطن کا حصہ ہے جیسے کویت (دفعہ نمبر ۱)، اردن (دفعہ نمبر ۱)، شام (دفعہ نمبر ۲) اور لیبیا (دفعہ نمبر ۳)۔

یا اس بات کی صراحت کہ عوام عربی ہے یا عرب قوم کا حصہ ہے، جیسے کویت (دفعہ نمبر ۱)، عراق (دفعہ نمبر ۱)، شام (دفعہ نمبر ۱) اور اردن (دفعہ نمبر ۱)۔

یا جیسے اتحادی جرمنی کے دستور کے مقدمہ میں صراحت تھی کہ ساری جرمن عوام کو قومیت میں یکساں حق ہے (دفعہ نمبر ۵۶)۔

(۲) بعض دستوروں میں، نسلی تکثیر کی رعایت میں، قومیت کے اظہار سے خاموشی برتی جاتی ہے، جیسے مراکش اور تیونس (اس کے دستور کی فصل ثانی میں صراحت ہے کہ یہاں کی عوام

---

[1] رپورٹ: القضاء علی جمیع أشکال التعصب ... صفحہ ۱۹، ۲۰۔

Marfat.com

''مغرب کبیر'' کی طرف منسوب ہوگی اور ملک کی سالمیت ووحدت کے لیے کوشش کرے گی، عرب قومیت سے انتساب کا قانون میں کوئی ذکر نہیں)، اور جیسے لبنان، فرانس (۵۸) اور ہندوستان۔

(۳) بعض دستوروں میں متعدد قومیتوں کا ذکر ملتا ہے اور وہ دستوران کی تنظیم کا اہتمام کرتا ہے، بلکہ کبھی کبھی مادر وطن سے قومیتوں کی جدا علیحدگی بھی عمل میں آتی ہے، جیسے ۱۹۳۶ء کے سابق سوویت یونین کے دستور (دفعہ نمبر ۱۷) میں اور چین کے ۱۹۵۴ء کے دستور کے مقدمہ (دفعہ نمبر ۶۷-۷۲) میں، اور چیکوسلوواکیا کے دستور کی (دفعہ نمبر ۱) میں۔

(ج) زبان سے متعلق تفریق کا قانون:

بعض ملکوں کے دستور میں سرکاری زبان کی صراحت ہوتی ہے، جیسے عراق (دفعہ نمبر ۳)، مراکش (مقدمہ)، مصر (دفعہ نمبر ۲)، کویت (دفعہ نمبر ۳)، اردن (دفعہ نمبر ۲)، تیونس (فصل اول)، شام (دفعہ نمبر ۴) وغیرہ ملکوں میں عربی زبان، اور انڈونیشیا (دفعہ نمبر ۴) میں انڈونیشیائی زبان، اسی طرح وسط افریقہ (دفعہ نمبر ۱)، سنگال (دفعہ نمبر ۱)، کامیرون (دفعہ نمبر ۱)، نائیجیریا (دفعہ نمبر ۱)، جابون (دفعہ نمبر ۱)، ساحل عاج (دفعہ نمبر ۱)، وولٹا (دفعہ ۱)، مالی (دفعہ نمبر ۱) وغیرہ ملکوں میں فرانسیسی زبان اور ترکی (دفعہ نمبر ۳) میں ترکی زبان کی صراحت دستور میں ہے[1]۔

(۲) ملک میں کئی زبانیں رائج ہوں تو دستور میں صراحت مختلف انداز کی ہوتی ہے، جیسے لبنان کے دستور (دفعہ نمبر ۱۱) میں صراحت ہے کہ عربی زبان ہی سرکاری اور قومی زبان ہوگی، فرانسیسی زبان صرف ان احوال کے ساتھ خاص ہوگی جن میں قانونی اعتبار سے اسے استعمال کیا

---

[1] ترک حکام نے کردوں کے اسکولوں میں بھی کرد زبان کی تعلیم پر پابندی عائد کردی ہے، جب کہ کردوں کی آبادی ۱۵ ملین سے زیادہ ہے، جیسا کہ بعض رپورٹوں میں انکشاف کیا گیا ہے۔ جریدہ، الشرق الأوسط (۱/۴/۱۹۹۹ء)۔

Marfat.com

جاتا ہے، اور جیسے ہندوستان کے ۴۹ء کے دستور میں صراحت ہے کہ ہر فرقہ کو اپنی زبان کے تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔ دستور کی دفعہ نمبر ۳۴۳، ۳۴۴ میں مذکور ہے کہ پورے ملک کی سرکاری زبان ہندی ہوگی، جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جائے گی اور انگریزی زبان اگلے پندرہ برسوں تک استعمال ہوتی رہے گی، اس کے بعد پارلیامنٹ کو اس بارے میں کوئی فیصلہ لینے کا اختیار ہوگا۔ اسی طرح دستور کی دفعہ نمبر ۳۴۵-۳۵۱ میں علاقائی زبانوں اور عدالتوں کی زبان کی بابت کچھ خصوصی احکام درج ہیں، مدغشقر (۵۹-۶۰) کے دستور کی دفعہ نمبر ۲ میں صراحت ہے کہ یہاں مدغشقری اور فرانسیسی زبان استعمال ہوگی، سوویت یونین کے دستور کی دفعہ نمبر ۴۰ میں جمہوریاؤں کی زبان کی صراحت ہے، چین کے دستور کی دفعہ نمبر ۷۱-۷۷ میں مختلف علاقوں اور صوبوں کی زبانوں کے استعمال کی بات کہی گئی ہے۔

افغانستان کے دستور کی دفعہ نمبر ۳ میں درج ہے کہ یہاں کی زبانوں میں سے پشتو اور دری سرکاری زبانیں ہوں گی، چیکوسلووا کیا کے دستور (دفعہ نمبر ۲۵) میں لکھا ہے کہ جو لوگ مجری، یوکرانی اور پولینڈی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں ان کی زبانوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ اٹلی کے ۴۷ء کے دستور کی دفعہ نمبر ۶ میں صراحت ہے کہ یہاں کی حکومت مختلف زبانیں بولنے والی اقلیتوں کا، مناسب وسائل و ذرائع کے ذریعہ تحفظ کرے گی۔

(۳) بعض دستوروں میں زبان کی کوئی صراحت نہیں ملتی جیسے مصر (۱۹۲۳ء)، لیبیا (۶۳ء)، فرانس (۵۸ء)، صومالیہ (۶۰ء)، کینیا (۵۸ء) اور پولینڈ کے دستوروں میں زبان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

تفریق سے متعلق دستوری مراعات، اور قانونی اعتبار سے فراہم کئے گئے حقوق و یقین دہانیوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ عملی طور پر نافذ ہیں اور لوگوں کو یہ حقوق حاصل ہیں، اس لئے زمینی حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لئے قانونی اور دستوری نقشہ پیش کرنا ہی کافی نہیں بلکہ تنفیذی

Marfat.com

مسائل کی وضاحت بھی ضروری ہے، اس لئے پہلے ہم اہم شعبوں میں قانونی حدود بیان کریں گے۔ اس کے بعد تنفیذی دشواریوں کی وضاحت کریں گے، خواہ ان دشواریوں کی صراحت قانون میں ہو، یا عملی تجربات سے وہ دشواریاں سامنے آئی ہوں۔

سوم: عقیدہ، عبادت، مذہبی ولسانی تعلیم اور دعوت وتبلیغ کے شعبوں سے متعلق قانونی حدود

(الف) دستوروں میں آزادیٔ عقیدہ کی صراحت ہوتی ہے:

صاحب عقیدہ اگر اپنے عقیدہ کا اظہار نہ کرے تو وہ فطرتاً آزاد ہے، کسی دوسرے کا اس پر کوئی زور نہیں، اس لئے دستور میں اس صراحت کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ انسان حسب خواہش عقیدہ اپنانے میں آزاد ہے، لیکن مقصد یہ ہے کہ جب کوئی انسان اپنے عقیدہ کا اظہار کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہ کرے، اسے کوئی تنگ نہ کرے، اس کے خلاف دشمنانہ موقف نہ اپنائے اور اسے پوری طرح تحفظ فراہم کیا جائے۔

دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ عوام تو درکنار بعض حکومتوں کا رویہ بھی اس مذہبی مسئلہ کے تعلق سے ناقابل ستائش ہے، ان کے دستور کی بعض دفعات سے مذہب کے تئیں معاندانہ موقف کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً سابق سوویت یونین کے دستور میں، ہر چند کہ عقیدہ کی آزادی کی صراحت ہے، لادینی پروپیگنڈے کی کھلی چھوٹ دی گئی ہے اور مذہبی دعوت کی آزادی کا کوئی ذکر نہیں۔

(ب) آزادیٔ عقیدہ اور آزادیٔ عبادت سے متعلق قانونی بیانات میں اتصال:

عبادت، بندہ اور رب کے درمیان تعلق کا نام ہے۔ اس کام کو بندہ خفیہ انداز میں بھی انجام دے سکتا ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو یا کوئی اس میں دخل نہ دے سکے، لیکن یہ اصل حقیقت نہیں ہے، خفیہ طور پر عبادت کی ادائیگی میں جو دشواری اور مشقت ہے وہ تو ہے ہی، بعض عبادتوں کی ادائیگی

Marfat.com

میں علی الاعلان اظہار کی بھی ضرورت پڑتی ہے، اور بعض میں اجتماعی انداز اپنانا ناگزیر ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک کے متعدد مظاہر و مراتب ہیں جو ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

(۱) ''علی الاعلان اظہار'' کے عنصر میں درج ذیل امور شامل ہیں: علانیہ نماز پڑھنا، اذان دے کر مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانا، عیسائیوں کے یہاں ناقوس بجانا، خصوصی لباس، علامات اور شعارات کا اظہار کرنا جیسے مسلمان عورتوں کا حجاب پہننا، راہب اور راہبہ کا خصوصی لباس زیب تن کرنا، صلیب اور قرآن رکھنا، ''اللہ''، ''محمد'' اور قرآنی آیات گھروں میں دفتروں، اسکولوں، ہسپتالوں اور گاڑیوں کی دیواروں پر لکھنا یا ان کے طغرے لٹکانا، عورتوں کے زیورات میں ان کو کندہ کرنا، ڈاڑھی رکھنا، وغیرہ۔

(۲) ''اجتماعی ادائیگی'' کے عنصر میں حسب ذیل امور شامل ہیں: عبادت گاہیں مثلاً مساجد، کلیسائیں، اور یہودی عبادت گاہیں تعمیر کرنا، ائمہ اور مذہبی سربراہان کے لئے عمارتیں بنانا، میلہ لگانا، عید منانا اور جلسہ کرنا وغیرہ۔

(ج) مذہبی تعلیم میں حسب ذیل امور شامل ہیں:

(۱) والدین اور تربیتی امور کے ذمہ داروں کو حق ہے کہ وہ زیر تربیت بچوں کے لئے مذہب کا انتخاب کریں، ان کا یہ حق سن بلوغ تک ہے، اگر اسکول یہ تربیت فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہ ہوں، تو مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مذہب کے ماننے والے ماہر مدرسین کے ذریعہ مذہبی تربیت دینے کا اہتمام کرے۔

(۲) اگر ملک میں کچھ غیر ملکی لوگ یا مہاجرین بستے ہوں، جن کا ایک خاص مذہب ہو اور عام اسکولوں میں اس سے متعلق مذہبی تربیت کا اہتمام نہ ہو تو اقلیتی افراد کو حق ہے کہ وہ خاص مذہبی ادارے کھولیں تا کہ وہاں سے ائمہ، واعظین، معلمین اور مذہبی کارکنان فارغ ہوں جو ان کی تربیت کر سکیں۔

Marfat.com

(۳) اگر ان مذہبی اداروں میں تدریس کے لئے اساتذہ میسر نہ ہوں یا عام اسکولوں میں تربیت کے لئے اس کے ماہرین فراہم نہ ہوں اور ملک کے اندر، ائمہ، واعظین، اور مذہبی کارندوں کا فقدان ہو، تو ان اقلیتی افراد کو حق ہے کہ وہ باہر سے ایسے لوگوں کو بلائیں، اسی طرح انہیں بیرون ممالک تعلیمی وفود بھیجنے کا بھی حق حاصل ہے۔

(د) لسانی تعلیم میں حسب ذیل امور شامل ہیں:

(۱) بچوں کو حق ہے کہ وہ اپنی قومی زبان سیکھیں، اور اگر عام اسکولوں میں اس زبان کی تدریس کا اہتمام نہ ہو تو مملکت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی تعلیم کا انتظام کرے بشرطیکہ یہ زبان سرکاری یا قومی زبان ہو۔

(۲) اگر سرکاری یا قومی زبان نہ ہو، تو اقلیتوں فرقہ کے افراد جو یہ زبان بولتے ہوں، اپنے بچوں کو یہ زبان سکھانے کے لئے خصوصی ادارے کھولنے کا حق رکھتے ہیں۔

(۳) اسی طرح اس زبان کے ماہرین پیدا کرنے کے لئے ان اقلیتی افراد کو خصوصی ادارے کھولنے کا بھی حق ہے۔

(۴) اور جب تک کہ ان اداروں سے ماہرین فارغ ہوں، بیرون ملک سے اس زبان کے مدرسین بلانے کا بھی انہیں ہے۔ اسی طرح اس زبان کو حاصل کرنے کے لئے طلبہ کو بیرون ملک بھیجنے کی بھی اجازت ہے۔

(ھ) اسلامی اصطلاح میں ''دعوت'' وہی معنی رکھتی ہے جو مسیحی اور یہودی اصطلاح میں ''تبشیر'' (Missionary Activity)

دعوت، ''مذہبی تعلیم'' سے الگ ایک شئے ہے، مذہبی تعلیم تو مذہب کے ماننے والوں کو دی

Marfat.com

جاتی ہے، تا کہ ان کی مذہبی معلومات میں اضافہ ہو، اور عام طور پر یہ عمل عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں میں انجام پاتا ہے جب کہ دعوت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو اس مذہب پر ایمان نہیں رکھتے، انہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، اور اس کے لئے عام طور پر دعوت و تبلیغ کے عام ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی عبادت گاہوں کے اندر خصوصی اجتماعات اور محاضرات کے ذریعہ بھی یہ عمل انجام پاتا ہے۔ پس فرق واضح ہو گیا کہ اعتبار مخاطبین کا ہے۔ اگر مخاطبین اس مذہب کے ماننے والے ہیں تو یہ ''تعلیم'' ہے اور اگر ماننے والے نہیں ہیں تو یہ دعوت اور تبشیر (Missionary Activity) ہے۔

اس فرق کی اہمیت ان ملکوں میں واضح ہے جہاں دعوت و تبشیر ممنوع ہے اور مذہبی تعلیم مذہبی تربیت اور عبادات کی ادائیگی کی اجازت ہے، ہاں، جہاں دونوں کی اجازت ہے وہاں اس فرق کی حیثیت ایک ''علمی تحقیق'' سے زیادہ کچھ نہیں۔

''دعوت'' کی اجازت پر چند آثار مرتب ہوتے ہیں جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

(۱) عبادت گاہوں سے باہر اجتماعات کرنے اور محاضرات دینے کا حق۔

(۲) دعوت سے متعلق مجلّات کی نشر و اشاعت، اور کتابوں کی تقسیم و طباعت کا حق۔

(۳) سمعی اور بصری ذرائع ابلاغ کے پروگراموں میں شرکت اور خصوصی ذرائع ابلاغ کے قیام کا حق۔

(۴) براہ راست یا بالواسطہ دعوت کے اغراض و مقاصد کی انجام دہی کے لئے اداروں اور تنظیموں کے قیام کا حق، جیسے خیراتی ادارے جو انسانی بنیادوں پر طبی اور ثقافتی خدمات پیش کرتے ہیں، اور ان کے پس پردہ مقصد اپنے مذہب کی تبلیغ ہوتی ہے۔

(۵) بیرون ملک سے آنے والے مبلغوں کی آمد اور قیام کے لئے ویزا نکلوانے کا حق جو مذہبی امور میں غیر ملکیوں کا تعاون کریں۔

Marfat.com

چہارم: قانون سازی اور عدالتی نظام سے متعلق قانونی حدود

(۱) ''ملک میں ایک قانون اور یکساں عدالتی نظام ہو'' یہی اصل قاعدہ ہے۔ لیکن اس کے بر خلاف اسلامی ملکوں میں اور ہندوستان میں متعدد قوانین پائے جاتے ہیں، خاص طور پر پرسنل لاء یا عائلی مسائل کے تعلق سے کئی طرح کے قوانین ہیں، اسی طرح مذہبی اور جماعتی تفریق کی بنیاد پر مختلف النوع فیصلے ہوتے ہیں، اور کبھی کبھی قبائلی نظام قضاء اور آدی باسیوں کے عرفی قوانین کی روشنی میں فیصلے وجود پذیر ہوتے ہیں۔

مذہبی تفریق سے متعلق اصلاً اسلام کے دو قاعدے ہیں، جن کے ذریعہ غیر مسلموں کے ساتھ مساوات اور رواداری مقصود ہے۔ پہلا قاعدہ: لهم ما لنا و عليهم ما علينا (غیر مسلموں کے حقوق وفرائض مسلمانوں کے حقوق وفرائض کی طرح ہیں)، یہ قاعدہ مساوات کی اساس ہے۔

دوسرا قاعدہ: ''ترکهم وما يدينون'' (غیر مسلموں کو اپنے مذہبی امور میں پوری آزادی ہوگی)، یہ قاعدہ رواداری کی بنیاد ہے، کہ وہ اپنے مذہب کے احکام کے پابند ہوں گے، شریعت یعنی اسلام کے عام احکام کے نہیں، اور چونکہ یہودی اور عیسائی مذہب میں بہت سے احکام نہیں ہیں، خاص طور پر شخصی احوال یا عائلی مسائل سے متعلق ان کے یہاں احکام کا فقدان ہے، اس لئے مذہبی ذمہ داران نے اجتہادات کے ذریعہ اس خلا کو پُر کرنا چاہا، اور یہی اجتہادات بعد میں قانون کی طرح نافذ ہوئے، یہ کام ملّی کونسلوں کے ذریعہ وجود میں آیا، ان کونسلوں کو مسلم ممالک میں غیر مسلموں سے متعلق امور کے خصوصی ادارے کا درجہ ملا، بعد کے مرحلہ میں یہی صورت حال یعنی قوانین میں تعدد اور فیصلوں میں تنوع، جو اصلاً اسلامی رواداری کی دین تھے، اسلامی ملکوں کے معاملات میں سامراجی ممالک کی مداخلت کی بنیاد بنی، ان ممالک کی دلیل یہ تھی کہ وہ اقلیتوں کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں، نتیجتاً مخلوط عدالتیں وجود میں آئیں جن کے مخصوص قوانین تھے، یہ عدالتیں

Marfat.com

غیر مسلم باشندوں کے لئے ہی نہیں تھیں، بلکہ غیر ملکی لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھاتے تھے، رفتہ رفتہ ان کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور اسلامی شریعت کی جگہ وضعی قوانین داخل کئے جانے لگے، اور شریعت کی تنفیذ کا دائرہ سکڑ کر احوال شخصیہ یا عائلی مسائل میں محدود ہو گیا۔

حالیہ دنوں میں ایک بار پھر، وصیت، میراث اور وقف وغیرہ سے متعلق مسائل میں یکساں قانون سازی کر کے، ''قانون وقضا کی وحدت کے قانون'' کو بحال کرنے کی کوشش شروع ہوئی ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا تعلق احوال شخصیہ سے ہے، اور جن کی اساس، ملی تنظیموں کے یہاں، مذہبی کتابیں نہیں ہیں، مذہبی عدالتیں کالعدم کی گئیں اور انہیں عام عدالتوں میں شامل کر دیا گیا، یہی عام عدالتیں حصول انصاف کے واحد ادارے ہو گئے، جن کا کام یکساں قانون کا نفاذ ہے جہاں یہ ممکن ہو اور جہاں یہ ممکن نہ ہو وہ اس فرقے کے خاص قانون کو نافذ کرتے ہیں۔

لیکن احوال شخصیہ کے برخلاف دیگر شعبوں میں اسلامی قانون سازی کا عمل تعطل کا شکار ہو گیا، اس کے مختلف اسباب رہے، اہم ترین سبب تو یہی کہ غیر مسلموں کو اسلامی شریعت کے احکام کا پابند نہ کیا جائے، اس سلسلہ میں غیر ملکی دباؤ رہا۔

آج مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان وجہ امتیاز صرف وہی احوال شخصیہ کے مسائل ہیں، جن میں سبھوں کے لئے یکساں قانون سازی نہیں ہو سکی۔

(ب) اگر ہم اسلامی ملکوں سے باہر کی بات کریں تو دیکھتے ہیں کہ یکساں قانون وقضا کا اصول ہر ملک میں نافذ ہے، البتہ مختلف ملکوں میں قوانین کے اختلاف، خاص طور پر احوال شخصیہ کے مسائل ہی نے حد درجہ مختلف ومتنوع حالات پیدا کر دیئے ہیں، جس کا اثر قوانین کے اختلاف کے وقت، مخصوص بین الاقوامی قانون پر بھی ظاہر ہے، اور ہمارے موضوع یعنی اقلیات پر اس کا اثر ملاحظہ فرمانا چاہیں تو اس خاندان کا تصور کریں جو ایک خاص قانون کے سائے میں پروان

Marfat.com

چڑھا، اور پھر حالات کے تقاضہ سے دوسرے ملک میں رہنے پر مجبور ہوا، جہاں کا قانون جائے پیدائش کے قانون سے یکسر مختلف ہو، وہ کس کشمکش سے دوچار ہوگا، اسی طرح قانونی اختلاف کا اثر اتحادی ملک میں بھی ظاہر ہے۔ مثلاً امریکہ جہاں ریاستوں کے احوال شخصیہ کے قوانین ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک ریاست کا قانون طلاق کو مباح قرار دے کر، اس کے اسباب وتنفیذات کو آسان کرتا ہے تو دوسری ریاست کا قانون اس بارے میں تشدد سے کام لیتا ہے۔

ذیل میں ہم کچھ احوال بطور مثال پیش کر رہے ہیں جو اسلامی شریعت اور وضعی قانون کے ٹکراؤ کی پیداوار ہیں:

(۱) اسلامی شریعت میں طلاق مباح ہے جب کہ مغربی قوانین میں یہ مختلف جکڑ بندیوں کی شکار ہے، بعض قوانین میں تو اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب زوجین میں سے کوئی ایک زنا کا مرتکب ہو، اسی طرح باہمی رضامندی سے طلاق ممنوع ہے، اور طلاق پر زوجین کے اتفاق کو باطل تصور کیا گیا ہے کیوں کہ یہ عام نظام کے خلاف ہے۔

(۲) اسلامی شریعت میں تعدد ازدواج مباح ہے جب کہ بیشتر مغربی ملکوں میں اسے ایک جرم باور کیا جاتا ہے۔

(۳) مسلم خاتون کا غیر مسلم مرد سے نکاح اسلامی شریعت میں ناجائز وحرام ہے اور مغربی قوانین میں یہ جائز ہے۔

(۴) اسلامی شریعت میں میراث کا اپنا ایک نظام ہے۔ جب کہ مغربی قوانین میں میراث کے مختلف نظام پائے جاتے ہیں، کسی میں صرف بڑے لڑکے کو وارث بنایا گیا ہے۔ کسی میں وصیت کو بلا قید و بند قابل نفاذ مانا گیا ہے تو کسی میں بیٹوں اور بیوی کو مساوی حصہ دیا گیا ہے۔ اسلامی شریعت میں مذہب کا اختلاف وراثت سے مانع ہے جب کہ مغربی ملکوں

Marfat.com

میں مذہبی اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۵) اسلامی شریعت میں، اسلام چھوڑ کر دوسرا مذہب قبول کرنے کو ارتداد مانا گیا ہے، جس کی سزا قتل ہوسکتی ہے، اور اگر شوہر ارتداد کا شکار ہو تو زوجین میں تفریق ہوسکتی ہے، جب کہ کسی اور مذہب سے اسلام میں داخل ہونے والے پر کوئی سزا نہیں ہے، اور نہ ہی بیوی کے مسلمان ہونے کی صورت میں زوجین میں تفریق کی جاتی ہے۔

پنجم: سلامتی، روزگار اور شہری حقوق سے متعلق قانونی حدود:

(الف) بحرانی حالات میں جب کہ اکثریت، اقلیت کے خلاف دشمنانہ جذبات کا اظہار کر رہی ہو، اقلیتوں کو خصوصی تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ وہ امن وسلامتی کے ماحول میں جی سکیں اور انتہا پسند و دہشت گرد عناصر کے مظالم کا جواب دے سکیں۔

اسی طرح جب عملی طور پر مظالم ڈھائے جا رہے ہوں تو خاص توجہ کی ضرورت پڑتی ہے کہ ظالموں کو گرفتار کیا جائے اور ان پر فوری مقدمہ چلایا جائے، ایسی صورت حال میں حکام کے لئے کسی بھی حال میں چشم پوشی کرنا جائز نہیں، ظلم خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کا سر شروع ہی میں کچلنا ضروری ہے۔ کیوں کہ آگ کے بڑے بڑے حادثات، معمولی چنگاری ہی سے رونما ہوتے ہیں۔

اس قسم کے بحرانی حالات سے بچنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جماعتوں کے درمیان تفریق کی شکلوں کو فوری طور پر صحیح رخ دے دیا جائے کہ یہ حالات تفریق کی مختلف صورتوں ہی کی پیداوار ہیں۔

(ب) ضرورت ہے کہ کام کے مواقع اور امکانات میں اقلیتوں کو اکثریت کے برابر حقوق دئے جائیں خواہ سرکاری شعبہ میں ہو یا نجی سیکٹر میں اور چاہے ملازمت کی بات ہو یا

Marfat.com

باہمی لین دین، معاملات اور درآمدات کی۔

کبھی کبھی اقلیت معاشی سطح پر بہت مضبوط ہوتی ہے، خواہ یہ اس کی ذاتی کوششوں کا نتیجہ ہو یا بیرونی امداد کی کرم فرمائی، جیسے مصر میں قبطی لوگ، ملیشیا میں چینی باشندے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ اقلیت کمزور پوزیشن میں ہوتی ہے، وہ اپنے دائرہ میں متحد رہتی ہے اور اپنے لوگوں کو اکثریتی طبقہ میں کام کا موقع نہیں دیتی، اور اس کے ساتھ لین دین سے گریز کرتی ہے، جس کے نتیجے میں اس طبقہ کے اندر بے چینی اور دشمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض حساس یا ممتاز نوعیت کی ملازمتوں کا دروازہ اقلیتوں کے لئے بند کر دیا جاتا ہے جیسے مسلح افواج میں اونچے عہدے، پولس اور سیکوریٹی کا عہدہ، یونیورسٹیوں کے وائس چانسلر اور کالجوں کے پرنسپل کا عہدہ وغیرہ۔

اکثریتی طبقہ کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ ملک کا اقتدار اعلیٰ اس کے ہاتھوں میں ہو، کبھی تو اس کی صراحت دستور ہی میں ہوتی ہے، جیسے برطانیہ، افغانستان اور شام میں اور کبھی عملی طور پر اس کا معمول ہوتا ہے، جیسے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں۔

(ج) اگرچہ بیشتر دستوروں میں ہم وطنوں کے درمیان سیاسی وشہری حقوق میں مساوات کی بات کہی گئی ہے، لیکن عملی دنیا میں ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کا اصول ہی جمہوری ممالک میں کارفرما ہے نتیجتاً اقلیتیں ریاستی وقومی کونسلوں میں اقلیتیں، آبادی کے تناسب سے نمائندگی سے محروم رہتی ہیں۔ اس سے مستثنیٰ صرف دو صورتیں ہیں، کسی حلقہ میں اقلیت کو خاص مرکزیت حاصل ہو اور وہ اس علاقہ میں اکثریتی پوزیشن میں ہو یا وہ اقلیتی نمائندہ، اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھنے کے باوجود غیر معمولی عوامی مقبولیت رکھتا ہو، جس کی وجہ سے اکثریتی طبقہ کے لوگ اسے ووٹ دیتے ہوں۔

مذکورہ مشکل کے دو حل ہیں، ایک یہ کہ ووٹ دینے میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی کا

Marfat.com

حق دیا جائے یعنی فرداً فرداً ووٹ ڈالنے کے بجائے ووٹنگ لسٹ میں جس طبقہ کی جتنی آبادی ہو اسی تناسب سے اس طبقہ سے افراد چن لئے جائیں (اگر چہ سیاسی پارٹیاں اکثریت کے جذبات کی رعایت میں اور اس کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے اس طریقہ کار کو نہیں اپناتیں)، جیسے مصر میں کانگریس پارٹی کے ساتھ ہوا، دوسرا حل یہ ہے کہ صدر مملکت کو کونسل کے کچھ ممبران کی تعیین کا حق دیا جائے، تاکہ رمزی طور پر ہی سہی اقلیت کی نمائندگی کی راہ ہموار ہو سکے۔

ششم: دیگر حقوق اور آزادیوں کا حصول

اقلیتیں کچھ دوسرے حقوق بھی حاصل کرنا چاہتی ہیں جو اگر چہ اہمیت کے لحاظ سے ثانوی درجہ کے ہیں لیکن ان بنیادی حقوق کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں، جن کا ذکر اوپر گزرا، جیسے:

مذہبی رہنما کے ذریعہ عقد نکاح کی انجام دہی: اس پہلو کی اہمیت عیسائیوں کے یہاں نمایاں ہے کہ وہ لوگ عقد نکاح کو ایک مذہبی معاملہ تصور کرتے ہیں، جب کہ اسلام میں ایسی کوئی شرط نہیں ہے کہ کچھ مذہبی راہ نما ہوں جو خاص روایات کے ذریعہ عقد نکاح کو مذہبی رنگ و آہنگ عطا کرتے ہوں۔

حکومتی میرج آفس کی طرف سے جاری کردہ سول قوانین کے خلاف، جب سے مذہبی اداروں نے مذہبی طور پر عقد نکاح کو انجام دینا شروع کیا ہے، قانونی نتائج میں ٹکراؤ پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اس قانونی تعارض سے وہ فریقین بھی متاثر ہو رہے ہیں جو اسی مذہب کے پیروکار اور اسی ملک کے باشندے ہیں جس سے کلیسا اور میرج آفس تعلق رکھتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں حکومتوں نے گرجا گھروں اور اسلامی مراکز پر پابندی لگادی ہے کہ حکومتی میرج آفس میں رجسٹری سے قبل شادی کی تقریب انجام نہ دیں۔

اس قانون پر عمل کے نتیجہ میں کچھ وہ مشکلات تو دور ہو گئیں جو میرج آفس میں رجسٹری سے قبل مذہبی طور پر عقد نکاح کی انجام دہی سے پیدا ہوئی تھیں، لیکن سرکاری اور مذہبی دو سطح پر نکاح

Marfat.com

کی انجام دہی سے پیدا شدہ مشکلات تا ہنوز حل طلب ہیں، مثال کے طور پر کیتھولک عیسائی نکاح کو ایک دائمی رشتہ مانتے ہیں، کلیسا اسے توڑنے کی اجازت نہیں دیتا، جب کہ قانونی اعتبار سے انہیں حق حاصل ہے کہ جب قانونی اسباب فراہم ہوں تو وہ فسخ نکاح کے لئے عدالت کا سہارا لیں۔ اسی طرح مسلمان اپنی بیویوں کو طلاق دے سکتے ہیں اس کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی طلاق کے قانونی اسباب مہیا ہونے کی ضرورت ہے، اور ان کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ایسے ہی جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے چکے ہیں، یا جو بیویاں طلاق لے چکی ہیں، دونوں قانونی طلاق حاصل کئے بغیر شرعاً دوسری شادی کر سکتے ہیں، لیکن اس کے بعد وہ کثیر ازدواجی کے الزام کا شکار ہو سکتے ہیں اور یہ مغربی ملکوں میں ایک جرم ہے، جب کہ دوسری حالت اسلامی ملکوں میں ایک جرم ہے۔

(ب) جانوروں اور پرندوں کو ذبح کرنے کا مسئلہ:

یہ مسئلہ مسلمانوں اور یہودیوں کے لئے بنیادی مسئلہ ہے، کچھ ملکوں میں ذبح کی اجازت ہے، جیسے برطانیہ، ڈنمارک وغیرہ، جب کہ کچھ ملکوں میں اس کی ممانعت ہے، جیسے سویڈن، سوئزرلینڈ وغیرہ، جس سے سخت پریشانی ہوتی ہے۔

(ج) لڑکیوں اور عورتوں کے لئے شرعی حجاب کے استعمال کا مسئلہ:

یہ مسئلہ بھی مشکلات کو جنم دیتا رہا ہے، کیوں کہ بعض ملکوں کی تعلیمی درسگاہوں میں حجاب کے ساتھ عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے، جیسے فرانس اور ترکی، بلکہ اب تو اس ممانعت کا سلسلہ ملازمت تک دراز ہو رہا ہے[1]۔

---

[1] احمد یوسف۔ الإسلام والأقليات والحرية الدينية، مجلة شئون الأقليات المسلمة۔ جلد نمبر ۲۰۔ شمارہ نمبر ۱/ ۲۰۰۰ء، صفحہ ۳۰-۳۲۔

Marfat.com

(د) اقلیتوں کے مُردوں کی تدفین کے لئے خاص قبرستان کا ہونا:

اس کا تقاضہ ہے کہ اس کے لئے زمین حاصل کی جائے اور سرکاری لائسنس بنوایا جائے۔

(ہ) ملک اور بیرون ملک سے چندہ وصول کرنا:

اس کا تقاضہ ہے کہ اس کے لئے سرکاری لائسنس یا اجازت نامہ حاصل کیا جائے۔

Marfat.com

تیسری بحث

اقلیتوں کو درپیش تنفیذی مسائل

Marfat.com

Marfat.com

اقلیتوں کو درپیش تنفیذی مسائل

اقلیتوں کے اپنے حقوق سے استفادہ یا عدم استفادہ کے اسباب:

گزشتہ بحث میں ہم نے ان مسائل کو پیش کیا تھا جن سے اقلیتیں دوچار ہیں اور ان کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کو بین الاقوامی قراردادوں میں ''لازمی حقوق'' کا نام دیا گیا ہے، یا کم از کم مختلف ملکوں کے دستور اور قوانین میں ان میں سے بیشتر کو حقوق تسلیم کیا گیا ہے۔

لیکن اس کے باوجود حقوق سے محرومی کی شکایت اپنی جگہ برقرار ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل اعتبار اس کا نہیں ہے کہ قراردادوں، دستوروں اور قوانین میں حقوق کی صراحت کر دی جائے بلکہ اعتبار عملی صورت حال کا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے یہ بحث خاص ان اسباب پر روشنی ڈالنے کے لئے تجویز کی ہے جو اقلیتوں کے مقررہ حقوق کے نفاذ یا عدم نفاذ کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اول: حقوق سے استفادہ کی سرکاری شرطیں:

حقوق سے استفادہ کے لئے کچھ شرائط و احکام تجویز کئے جاتے ہیں تا کہ استفادہ کو نظم و ضبط کی لڑی میں پرویا جائے، ان کا مقصد استفادہ سے روکنا یا اس کے دائرے کو تنگ کرنا نہیں ہوتا، یہی اصل ضابطہ ہے۔ لیکن سچائی یہ ہے کہ حکومتیں استفادہ کو منظم کرنے کی آڑ میں اس پر پابندی لگانے اور اس کے دائرے کو تنگ کرنے کے فراق میں رہتی ہیں، جس کے بعد دستوری اور انتظامی عدالتوں میں چارہ جوئی ہی آخری حربہ رہ جاتا ہے تا کہ اس کے ذریعہ شریعت اور

Marfat.com

قانونی بالادستی کے خلاف اقتدار کے غلط استعمال سے بچا جا سکے۔

عام انسانی حقوق اسی صورت حال کا شکار ہیں اور اقلیتوں کے خاص حقوق کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے:

کسی بھی اقلیت کے لئے اپنے حقوق سے استفادہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ اسے بحیثیت اقلیت تسلیم کیا گیا ہو، گویا اقلیت کے کچھ الگ حقوق ہیں جن میں وہ اکثریت پر فائق ہے حالانکہ جب عام انسانی حقوق کا احترام کیا جاتا ہے تو اقلیت خود بخود اکثریت کی طرح ان سے بہرہ ور ہوتی ہے، لیکن جب عام انسانی حقوق پامال کئے جاتے ہیں تو اقلیت اپنے حقوق کے مطالبہ پر مجبور ہوتی ہے اور تب اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کی باری آتی ہے کہ ان حقوق کو ان لوگوں میں منحصر کر دیا جاتا ہے جن کو بحیثیت اقلیت حکومت تسلیم کرتی ہو۔

حکومت کے نزدیک، کسی جماعت کو اقلیت تسلیم کرنے اور اقلیتی حقوق عطا کرنے کے کچھ شرائط ہیں، جن کا پایا جانا ضروری ہے، اگر کسی جماعت میں وہ شرطیں نہیں پائی جاتیں تو وہ اقلیتی حقوق کے استفادہ کے دائرہ سے خارج ہے، ایسی جماعت کوشش کرتی ہے کہ اپنے آپ کو اقلیت تسلیم کروائے تا کہ اسے حقوق سے استفادہ کا موقع مل سکے۔

ان شرائط میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

(۱) ممبران کی تعداد کم سے کم اتنی ہو جو کسی مذہب کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے یا کسی تنظیم کی داغ بیل ڈالنے کے لئے حکومت کے نزدیک ضروری ہے، یہ تعداد جتنی کم ہوتی ہے اتنی ہی سہولت ہوتی ہے اور جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ (لاتفیا میں یہ تعداد ۲۵ر سے گھٹا کر ۱۰ر کر دی گئی ہے جیسا کہ روس کے ۱۹۹۷ء قانون میں ۱۰ر کی صراحت کی گئی ہے، جب کہ آرمینیہ میں یہ تعداد ۱۰۰ر سے بڑھا کر ۲۰۰ر کر دی گئی ہے)۔

Marfat.com

(۲) ممبر کی عمر کم سے کم ۱۸ سال ہو۔

(۳) آرمینیہ میں ۱۹۹۱ء کے قانون کے مطابق، مذہب کا کتابی ہونا شرط ہے یعنی اس کی اساس کسی آسمانی کتاب پر ہو، بعض پہلوؤں سے یہ شرط معقول بھی ہے تا کہ امریکہ میں ابھرنے والے ان مصنوعی مذاہب کا دروازہ بند کیا جاسکے، جن کی کثرت پیشکش کی رنگارنگی سے زیادہ یہ مذاہب، معاشی وسماجی انصاف، حقوق انسانی کے تحفظ اور تنظیم عالم کی بحالی جیسے امور سے شاید باید ہی دلچسپی رکھتے ہوں، ان کی توجہ کا مرکز اخلاقی مسائل ہیں، جیسے زنا کاری، جنسی بے راہ روی، اور اسقاط حمل وغیرہ۔

(۴) آرمینیہ کے مذکورہ قانون میں یہ شرط بھی ہے کہ جس مذہبی جماعت کو بحیثیت اقلیت تسلیم کروانا مقصود ہو، اس کی سرگرمیاں، روحانی امور میں محدود ہوں۔

روس میں ۱۹۹۷ء کے قانون کے مطابق، وہ جماعتیں جو رجسٹرڈ نہیں ہیں، ان کا کوئی اعتباری وجود نہیں، اور نہ ہی ان کا ٹیکس معاف ہے، ان کا حکم ایسی جماعتوں سے مختلف ہے جو باقاعدہ رجسٹرڈ ہیں، اور جن کا ٹیکس معاف ہے۔

فرانسیسی قانون میں بھی مذہبی تنظیموں (Cultuelles) اور ثقافتی تنظیموں (Culturelles) کے درمیان فرق کیا گیا ہے، مذہبی تنظیموں کے ٹیکس معاف ہیں جب کہ ثقافتی تنظیمیں ان عطیات پر ۶۰٪ ٹیکس دینے کی پابند ہیں جو انہیں حاصل ہوتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ انہیں حکومت کا تعاون بھی حاصل ہوتا ہے۔[1]

(۵) چین میں ۱۹۹۶ء کے قانون کے مطابق ضروری ہے کہ ممبروں کے نام و پتے کی پوری تفصیلات فراہم کی جائیں، ساتھ ہی چین کے اندر اور باہر جماعت کے ذرائع مواصلات اور تعلقات کی بھی پوری وضاحت کی جائے۔

---

[1] احمد یوسف، حوالہ سابق، صفحہ ۳۳، ۳۵، ۳۹۔ امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء، حوالہ سابق۔

Marfat.com

(۶) بعض ملکوں میں شرط ہے کہ مذہبی جماعت بیرون ملک سے امداد حاصل نہ کرے۔

(۷) آسٹریا کے قانون میں شرط ہے کہ مذہبی جماعت کی سرگرمیاں اور مقاصد، معاشرتی روایات سے متعارض نہ ہوں، اور آئندہ ہم ذکر کریں گے کہ اس پہلو کو متعدد ملکوں میں اقلیت تسلیم کرنے کی راہ میں رکاوٹ تصور کیا گیا ہے۔

(۸) روس میں ۱۹۹۷ء کے قانون میں یہ شرط ہے کہ کلیسا کو سرکاری طور پر تسلیم کئے جانے سے قبل اندرون روس اس کی سرگرمی پر پندرہ سال گزر چکے ہوں۔

(۹) یونان میں بحیثیت اقلیت تسلیم کئے جانے کا معاملہ عدالت کے سپرد ہے، وہی فیصلہ کرے گی کہ جو جماعت اقلیت تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کر رہی ہے آیا اس کا عقیدہ اس لائق ہے کہ اسے اقلیت تسلیم کیا جائے[1]؟

(۱۰) علاوہ ازیں، یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بعض مذہبی جماعتوں کو ٹیکس سے معافی دینے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مذہب کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

دوم: عملی شرائط:

مذکورہ شرطیں اگر قانونی نوعیت کی تھیں تو زمینی حقیقت کچھ دوسری شرطوں سے بھی پردہ اٹھاتی ہے، یہ شرطیں عملی نوعیت کی ہیں اور انہیں حقیقی موانع یا پھر مصنوعی موانع کا نام دیا جا سکتا ہے۔ حکومت کے افسران جب کسی جماعت کو بحیثیت اقلیت تسلیم کرنا نہیں چاہتے تو انہی موانع کا سہارا لیتے ہیں، ان میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

(۱) روایتی جملے: مثلاً معاشرہ کی سلامتی کا خطرہ، ملک کے مفادات کا نقصان، معاشرتی نظام کا بکھراؤ۔

---

[1] میرا خیال ہے کہ یہ شرط اس سے زیادہ معقول ہے کہ مذہب کے کتابی ہونے کی شرط لگا دی جائے۔

Marfat.com

(۲) معاشرہ کی روایات وعادات کی مخالفت (میکسیکو)۔
(۳) یہ احساس کہ جماعت مال وجنس کے تعلق سے اپنے افراد کے فکر وخیال کو پراگندہ کرے گی (فرانس)۔
(۴) معاشرہ کے خلاف فکر وخیال کی تخم ریزی، خاندان کے باہمی تعلقات کو نقصان پہنچائے گی (فرانس)۔
(۵) کسی متعین کلیسا کو غیر خیراتی ادارہ تصور کرنا کیوں کہ وہ معاشرہ کے ثقافتی، مذہبی اور روحانی فروغ میں کوئی حصہ نہیں لیتا (جرمنی)۔
(۶) مزید برآں، ''شہود یہوہ'' نامی امریکی مسیحی مذہب کے ماننے والوں کو متعدد ملکوں میں ایک جرائم پیشہ فرقہ تصور کیا گیا، اس کی مختلف وجوہات ہیں مثلاً:

- یہ فرقہ اپنے پیروکاروں کے لئے فوجی خدمت کو حرام سمجھتا ہے۔
- اس مذہب میں اس کے ماننے والوں کا انتخابات میں حصہ لینا حرام ہے۔
- یہ فرقہ جھنڈے کی سلامی کو حرام کہتا ہے (سنگاپور)۔
- اس مذہب میں حب الوطنی کی قسم کا اظہار ممنوع ہے (سنگاپور)۔
- ملک سے گہری اور دائمی محبت کا اظہار حرام ہے (جرمنی)۔
- قومی پریڈ میں شرکت حرام ہے (یونان)۔
- ایک کا خون دوسرے کو چڑھانا حرام ہے (فرانس)۔

سوم: غیر قانونی افعال:

اقلیتوں کی زمینی حقیقت کے سروے سے پتہ چلتا ہے کہ غیر قانونی طور پر ایسے افعال انجام دیئے جاتے ہیں جن سے اقلیتوں کے حقوق پامال ہوتے ہیں یا ان سے استفادہ کا دائرہ تنگ ہوتا ہے، جیسے:

Marfat.com

(الف) اندرون ملک مختلف قسم کی پابندیاں: مثال کے طور پر

(۱) مذہبی سرگرمی یا دعوت وتبلیغ کے لئے، اسی طرح گرجا گھر، مسجد، یہودی عبادت گاہ، مذہبی مدارس، خیراتی ادارے مثلاً ہاسپٹل اور پناہ گزیں کیمپ وغیرہ کی تعمیر کے لئے سرکاری لائسنس حاصل کرنے کا لزوم۔

(۲) مذاہب کے درمیان، قانونی مساوات کے باوجود، عملی سطح پر غیر مساویانہ برتاؤ، مثلاً برطانیہ میں، جسے غیر جانبدار یا کثیر مذہبی ملک سمجھا جاتا ہے، یہودی اور عیسائی خصوصی مراعات سے بہرہ ور ہیں، جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگ ان مراعات سے محروم ہیں، اسی طرح انگریزی قانون میں برطانوی کلیسا کو جو خاص مقام حاصل ہے اسے رہنے دیجئے، سرکاری امداد بھی صرف انہی اسکولوں کو دی جاتی ہے جو برطانوی کلیسا یا کیتھولک کلیسا کے زیر نگرانی ہیں اور جن میں سے ہر ایک کی تعداد انفرادی طور پر ۲۰۰۰ سے زائد ہے، اسلامی مدارس درخواست کے باوجود اس امداد سے محروم ہیں، اسی طرح کی تفریق عمومی تعطیلات میں بھی ہے۔[1]

(۳) مسلمانوں کے مذہبی وصف سے صرف نظر کر کے، ان کے ساتھ ایک نسلی اقلیت کی حیثیت سے برتاؤ کرنا، حالانکہ یہ اسلامی مزاج کے خلاف ہے، اور اس کا اثر حکومت کی جانب سے مسلمانوں کو دی جانے والی امداد پر پڑتا ہے کہ یہ امداد دینی سرگرمیوں کے بجائے تربیتی اور ثقافتی سرگرمیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے[2]۔

(۴) عیسائیوں کی تبلیغ عام نظام کے خلاف ہے (تیونس)، ایک جرم ہے (افغانستان)۔

(۵) اجتماعات منعقد کرنے سے قبل اجازت حاصل کرنا۔

(۶) کسی مذہب سے وابستگی کو کمیونسٹ پارٹی کی رکنیت کے خلاف سمجھنا، نتیجتاً ان ملازمتوں سے

---

[1] احمد یوسف۔ حوالہ سابق۔ صفحہ ۳۲۔

[2] احمد یوسف۔ حوالہ سابق۔ صفحہ ۳۳۔

Marfat.com

محروم ہونا جو پارٹی کے ارکان کے لئے خاص ہیں (چین)۔

(۷) حکومت کے زیر انتظام سیاسی جلسوں میں اس شخص کے لئے شرکت کا لزوم جو ایک مذہبی اہل کار کی حیثیت سے کام کرنا چاہے، اور یہ لزوم ملازمت شروع کرنے سے پہلے ہے (چین)۔

(۸) غیر اجازت یافتہ مذہبی فرقہ پر کڑی نظر، ہر چند کہ خلاف قانون امور کے وقوع کا کوئی شبہ نہ ہو۔

(۹) مذہبی سربراہان مثلاً: مفتی، متولی اوقاف، امام وغیرہ کے انتخاب میں حکومت کی مداخلت۔

(۱۰) باشندوں کی تعداد اور اقلیت کے تناسب کے تعلق سے کئے جانے والے خصوصی سروے میں سرکاری اہل کاروں کی طرف سے کتر بیونت۔

(۱۱) نصابی کتب میں اقلیت کی تاریخ سے زیر اقتدار گروہ کی چھیڑ خانی اور تحریف۔

(۱۲) حکومت کی زیر ملکیت ذرائع ابلاغ میں اقلیت سے متعلق موضوعات کو کم سے کم کرنے کی سازش۔

(ب) بیرونی ممالک سے تعلقات پر پابندیاں: مثلاً

(۱) مذہبی راہ نماؤں کو بیرون ملک سے منتخب کرنے کی پابندی، جیسے کیتھولک عیسائی مذہب میں انہیں ویٹکن سیٹی کے لوگ منتخب کرتے ہیں۔

(۲) ملک سے باہر، اپنی ہی جیسی جماعت سے تعلقات کی پابندی، تاکہ غیر ملکی اداروں کی غلامی یا سرحد پار بین الاقوامی تنظیم کے ساتھ انضمام سے بچا جا سکے۔

(ج) اقلیتوں کے تئیں غیر سرکاری شعبوں کا موقف: مثلاً

(۱) غیر سرکاری ذرائع ابلاغ۔

(۲) معاشرہ اور رائے عامہ۔

(۳) افراد جیسے پراپرٹی کے مالکان جو اپنے مکانات مذہبی جماعتوں اور مبلغوں کو کرایہ پر دینے یا انہیں فروخت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

Marfat.com

چہارم: کسی مذہبی جماعت کو اقلیت تسلیم کرنے کا مفہوم:

جب کسی مذہبی جماعت کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا جائے تو اس پر متعدد اہم نتائج مرتب ہوتے ہیں، جو ''اعتراف'' کے لازمی اوصاف ہیں، جیسے:

(۱) اقلیتی فرقہ کو حق ہوتا ہے کہ وہ اس انداز پر مذہبی تعلیم حاصل کر سکے جس کی تشریح ہم نے ابھی ابھی کی ہے۔

(۲) اقلیت کو حق ہے کہ وہ ان مخصوص مالی پیکجوں کو حاصل کرے جو ملک کے بجٹ میں مذہبی سرگرمیوں کے لئے مقرر ہوتے ہیں (سویڈن، جرمنی، بیلجیم) اور جو ان مختلف مذاہب کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں جنہیں سرکار نے تسلیم کیا ہے، ان میں اکثریت کا مذہب بھی شامل ہے۔ یہ پیکج، مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان، ان کی تعداد اور ضروریات کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔

(۳) بینکوں میں جماعت، ادارہ، کلیسا یا مسجد کے نام پر اکاؤنٹ کھولنے کا حق۔

(۴) جماعت، ادارہ، کلیسا یا مسجد کے نام پر جائیداد کی ملکیت کا حق۔

(۵) جماعت، ادارہ، کلیسا یا مسجد سے ٹیکسوں کی معافی (فرانسیسی قانون)۔

(۶) ملک کو حق ہے کہ وہ مذہبی جماعت کے اکاؤنٹ کے سبب اس کے افراد سے، انکم ٹیکس کے ایک حصہ کے طور پر ٹیکس وصول کرے۔

(۷) مذہبی کارندوں کی فوجی خدمت سے معافی۔

(۸) غیر ملکی مذہبی کارکنان مثلاً عیسائی مبلغین، دعاۃ، اور مدرسین وغیرہ کو Stay Permit اور Work Permit سے معافی، اسی طرح ادارہ، کلیسا اور مسجد کو یہ حق دینا کہ ویزا مل جانے کے بعد غیر ملکی زائرین کی کفالت کر سکیں۔

Marfat.com

چوتھی بحث

بین الاقوامی قانون

Marfat.com

Marfat.com

بین الاقوامی قانون

مقدمہ:

جب ہم اقلیتوں کے مسائل کے حل کی تلاش میں لگے ہیں تو ضروری ہے کہ چند امور پر ٹھہر کر غور کرلیا جائے، اور دیکھ لیا جائے کہ ان میں ''حجت'' بننے کی صلاحیت کس قدر ہے، اور ایک قانون کی حیثیت سے ان کا استعمال کہاں تک ممکن ہے؟ تا کہ بحث کا سلسلہ آگے بڑھ سکے۔

ان امور کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ حصہ جسے مطلق مرجعیت (مطلق قانونی حیثیت) حاصل ہے دوسرا وہ حصہ جیسے مطلق مرجعیت (قانونی حیثیت) حاصل نہیں ہے۔

پہلے حصہ کے ضمن میں بین الاقوامی قراردادیں اور مذہبی تصریحات آتی ہیں، اور دوسرے حصہ کے تحت، بین الاقوامی دباؤ، فقہی وفکری تحریریں اور تاریخی تجربات جیسے امور شامل ہیں۔

پھر مطلق مرجعیت کے حامل امور کو ہم دو سطح پر تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) خارجی سطح: اس کے ذیل میں ان علاقوں کے حالات آتے ہیں جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہ علاقے غیر اسلامی ملک کا حصہ ہیں یا غیر اسلامی ملک کے تابع ہیں جیسے سابق یوگوسلاویہ، سابق سوویت یونین اور کشمیر وغیرہ میں مسلمانوں کے حالات، ایسے علاقوں میں، بین الاقوامی قانون کی ضرورت ہے جو تمام فریقوں کا احاطہ کر سکے۔

(۲) داخلی سطح: اس کے تحت ان اسلامی اقلیتوں کے حالات آتے ہیں جو غیر اسلامی ممالک میں رہتے ہوں، اسی طرح ان غیر مسلم اقلیتوں کے حالات بھی اس کا حصہ ہیں جو اسلامی ملکوں

Marfat.com

میں بستے ہیں، ان حالات میں پہلی مرجعیت تو انہی ممالک کے قانون کو حاصل ہے جن میں وہ اقلیتیں رہتی ہیں، لیکن اس سے آگے بڑھ کر دوسرے بین الاقوامی نوعیت کے قانون کی بھی ضرورت ہے جس کی رعایت لابدی ہے۔ اس کے دائرے میں مغرب اور ہندوستان کی اسلامی اقلیتوں کے حالات آتے ہیں، اسی طرح سوڈان وغیرہ کی قبطی وکردی اقلیات کے حالات اس میں شامل ہیں۔

(۳) ظاہر ہے کہ دونوں سطحوں پر ہمیں بین الاقوامی قانون کی ضرورت پڑتی ہے، البتہ داخلی سطح پر اس کا دائرہ قدرے تنگ ہے یا دوسرے الفاظ میں ملکی قانون اس کے مقابلے زیادہ وسعت کا حامل ہے۔

بین الاقوامی نوعیت کے حامل قانون میں دوطرح کی قراردادیں آتی ہیں، ایک قسم عام ہے اور متعدد ملکوں کو شامل ہے، دوسری قسم خاص ہے جو چند گنے چنے ملکوں کو حاوی ہے اور خاص حالات تک محدود ہے۔

تاریخی اعتبار سے اقلیات کا موضوع مختلف مراحل سے گزرا ہے، سب سے پہلے اسلامی نظریہ سے اس کا آغاز ہوا، جس کو ہم انشاء اللہ اسی مقالہ کی بحث ششم، ہفتم اور ہشتم میں بیان کریں گے۔ اس کے بعد مغرب نے اس میں دلچسپی لینی شروع کی جبکہ یورپ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان کشمکش شروع ہوئی اور جس کے نتیجے میں متحارب ملکوں میں مذہبی اقلیات کے تحفظ کے معاہدات وجود میں آئے، اسی طرح کسی علاقہ سے دست برداری کے وقت اقتدار کی منتقلی کے دوران مذہبی اقلیتوں کی حفاظت سے متعلق قراردادیں پاس ہوئیں۔ اور سب سے اخیر میں مغرب نے اس موضوع کو ذریعہ بنا کر دیگر ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا[1] ہم اس پوری بحث کو یہاں تین مراحل میں بیان کریں گے۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: وائل علاّم، حوالہ سابق۔ صفحہ ۳۵-۸۴، ۲۱۰-۲۹۵۔

Marfat.com

اول: پہلا مرحلہ:

پہلی جنگ عظیم کے بعد ایک طرف حلیف ممالک کے درمیان خصوصی معاہدات طے ہوئے تو دوسری طرف پولینڈ، چیکوسلووا کیہ، صربیا، کرواتیہ، رومانیہ اور یونان وغیرہ ممالک نے کچھ قراردادیں پاس کیں۔اس کے بعد دوسرے چند ممالک مثلاً پولینڈ، دانزتج، سویڈن، فنلینڈ، جرمنی، پولینڈ، لتھوانیا اور حلیف ممالک نے کچھ قراردادیں منظور کیں، ان کے علاوہ، جرمنی، لتھوانیا، لاتفیا، اسٹونیا اور عراق نے کچھ اعلانات کئے جن کی حیثیت الزامی تھی، اختیاری نہیں، اوران اعلانات کو تنظیم اقوام کونسل کے سامنے پیش کیا گیا، ان قراردادوں، معاہدات اور اعلانات نے اقلیات کے لئے بین الاقوامی نظام کی داغ بیل ڈالی، اور اسی کے نتیجہ میں تنظیم اقوام کونسل نے انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت لی اور بین الاقوامی انصاف کے لئے عالمی عدالت میں رجوع کا حق ثابت ہوا۔

دوم: دوسرا مرحلہ:

(الف) اقوام متحدہ کی ۱۹۴۵ء کی قرارداد، جس کی پہلی دفعہ میں اقوام متحدہ کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے فقرہ نمبر ۳ میں درج ہے: اقتصادی، اجتماعی، ثقافتی، اور انسانی نوعیت کے بین الاقوامی مسائل کے حل کے لئے، اور انسانی حقوق کے احترام اور تمام لوگوں کی بنیادی آزادی کو فروغ دینے اور اس کی ہمت افزائی کرنے کے لئے بین الاقوامی تعاون کو بروئے کار لانا، اس سلسلہ میں جنس، زبان یا مذہب کی تفریق کو راہ نہ دینا، نیز عورتوں اور مردوں کے درمیان بھی فرق نہ کرنا۔

اقوام متحدہ کے قیام کے وقت عام رائے یہ تھی کہ جب ہر فرد کے لئے انسانی حقوق کے حوالے سے مناسب تحفظ فراہم ہوگا تو خاص اقلیتوں کے حقوق سے متعلق احکام کی ضرورت نہیں،

Marfat.com

اسی وجہ سے اس صراحت پر اکتفا کرلیا گیا کہ تفریق اور عدم مساوات ممنوع ہے، اور ان دونوں کو انسانی حقوق کے بین الاقوامی قواعد میں دو اہم بنیادوں کے طور پر پیش کیا گیا، اور قرارداد میں کہیں بھی اقلیات کا ذکر نہیں آیا، اسی طرح ۱۹۴۶ء میں لندن کی امن کانفرنس میں ''ہنگری'' نے تحفظ اقلیات سے متعلق جو تجویز پیش کی تھی، اس کو مسترد کردیا گیا۔

(ب) اسی طرح ۱۹۴۸ء کے انسانی حقوق کے عالمی منشور میں اقلیتوں سے متعلق کوئی فیصلہ شامل کرانے کی تجاویز بھی ناکام رہیں، اس عالمی منشور میں اقلیتوں کا کوئی ذکر نہیں تھا البتہ عدم تفریق کے اصول پر زور دیا گیا تھا اور اس کے مفہوم میں وسعت برتی گئی تھی، چنانچہ اس کی دفعہ میں صاف صاف درج تھا کہ اس منشور میں دی گئی آزادی اور حقوق سے ہر شخص کو پورے پورے استفادہ کا حق ہے، اور اس سلسلہ میں، نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، سیاسی رائے، یا کوئی اور دوسرا نظریہ، قومی یا اجتماعی اصلیت، مالدارمی، جائے پیدائش، یا اور کسی بنا پر تفریق نہیں ہوگی، اور نہ ہی مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق ہوگا۔

مذکورہ امور کے علاوہ یہ بھی صراحت ہے کہ ملک کی سیاسی، قانونی، یا بین الاقوامی پوزیشن کی بنا پر، اسی طرح کسی خاص خطہ کی اساس پر جس سے فرد انتساب رکھتا ہے، تفریق و تمیز کی ہر شکل ناقابل قبول ہوگی، خواہ وہ خطہ خودمختار و آزاد ہو یا کسی کے کنٹرول میں ہو اور خواہ خودمختاری کے حق سے محروم ہو یا اس کی حکومت کسی پابندی کے تابع ہو۔

(ج) بعینہٖ یہی صورت حال حقوق انسانی کی علاقائی قراردادوں کی ہے، کہ ان تمام میں عدم تفریق کی مکمل صراحت ہے۔ ان قراردادوں میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

یوروپی قرارداد، یوروپی اجتماعی معاہدہ، ''تعصب جمہوریت کے لئے خطرہ ہے'' کا اعلان، (یہ وہ قراردیں ہیں جن پر یوروپی کونسل کی مہر تصدیق ثبت ہے)، امریکی ممالک کی تنظیم کی طرف سے ''حقوق انسانی کی امریکی قرارداد''، اور افریقی یونین کی تنظیم کی جانب سے ''انسانی

Marfat.com

وامی حقوق کی افریقی قرارداد' وغیرہ۔

اگر ہم بطور مثال یورپین معاہدے کو لیں جو ۱۹۵۰ء میں یوروپی کونسل کے ممبر ملکوں کے رمیان طے پایا اور جس کا نام'' انسانی حقوق اور بنیادی آزادی کے تحفظ کا معاہدہ'' تھا، تو اس کی فعہ نمبر ۱۴ میں صاف صاف درج ہے کہ ان حقوق اور آزادیوں میں جن کی صراحت معاہدہ میں ہے، جنس، نسل، رنگ، زبان، مذہب، سیاسی خیالات، یا کسی دوسرے نظریہ، قومی و اجتماعی ملیت، کسی قومی اقلیت سے انتساب، مالداری، جائے پیدائش یا کسی اور حیثیت کی بنیاد پر فریق کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ معاہدہ اگرچہ ان ۲۵ / یورپین ملکوں پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۱ء تک یوروپی کونسل میں شامل ہوئے، لیکن اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ انسانی حقوق کے عالمی منشور میں جس عملی طریقہ کار کی احت نہیں، وہ اس میں موجود ہے۔ مثلاً، انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے اور ہر شخص کو ملکوں سے نصاف طلب کرنے کے لئے یوروپی عدالت کا قیام، ملکوں میں مقیم غیر ملکی باشندوں کے حقوق کا تحفظ، وغیرہ... اور ان سب سے بڑھ کر یہ خوبی کہ یہ معاہدہ لزومی نوعیت کا ہے، محض اعلان نہیں۔

(د) ''عدم تفریق'' کے اصول کو اس معاہدہ سے بھی تقویت پہنچی جو ۱۹۷۵ء میں عالمی لیبر تنظیم نے پاس کی، اور جو نوآبادکالونیوں میں ''اصلی باشندوں'' کو ضم کرنے سے تحفظ کی بابت تھا۔

(ہ) اسی طرح ۱۹۶۰ء میں یونیسکو نامی تنظیم کی قرارداد سے بھی مذکورہ اصول کو قوت ملی، جو تعلیم میں تفریق سے متعلق تھی اور جس میں کچھ مخصوص شرطوں کے ساتھ، مذہبی اور لسانی مقاصد کے لئے خصوصی ادارے قائم کرنے کی اجازت تھی۔

(و) ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے نسلی تفریق کی تمام شکلوں کے سدباب کے لئے ایک بین الاقوامی قرارداد پاس ہوئی جس کی رو سے ملکوں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنی سرگرمیوں، سیاست اور قانون کو ان معیارات کے تابع رکھیں جن کی اس قرارداد میں تصریح

Marfat.com

ہے (دفعہ نمبر ۲)، بعض افعال کو جرم و باطل قرار دیا گیا (دفعہ نمبر ۴)، اسی طرح ایک تفتیشی کمیٹی کے ذریعہ، ملکوں، افراد اور جماعتوں کی شکایات کی جانچ پڑتال کرنے کی بھی بات کہی گئی ہے اور اسی معاہدہ میں ہر اس تفریق کو ناجائز کہا گیا ہے جو حکومتیں اپنے باشندوں اور غیر ملکیوں کے درمیان قائم کرتی ہیں (دفعہ نمبر ا، فقرہ نمبر ۲)۔

اسی طرح تمام ملکوں کو پابند کیا گیا کہ وہ نسلی تفریق کی تمام شکلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور ہر شخص کو قانونی اعتبار سے مساوی حق کی ضمانت دیں، خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل اور کسی بھی رنگ سے ہو، اور اس کی قومی یا نسلی اصلیت کچھ بھی ہو، خاص طور پر درج ذیل حقوق سے استفادہ کا سب کو برابر موقع فراہم کریں:

(ا) عدالتوں اور انصاف کے دوسرے اداروں میں مساوی برتاؤ کا حق۔

(۲) تشدد اور جسمانی اذیت سے تحفظ کا حق، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شخص کو یہ تحفظ فراہم کرے خواہ سرکاری اہل کار کے ذریعہ، یا کسی فرد کے ذریعہ یا پھر کسی جماعت یا ادارہ کے ذریعہ۔

(۳) سیاسی حقوق، خاص طور پر عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر انتخابات میں شرکت کا حق، خواہ کسی کو منتخب کرے یا خود ہی انتخاب میں امیدوار بنے، اور ہر سطح پر، حکومت اور عام انتظامی امور میں شرکت کا حق، اسی طرح عام ملازمتوں کے حصول میں مساوی حق۔

(۴) بقیہ شہری حقوق میں مساوی حق، خاص طور پر:

- اندرون ملک نقل و حرکت اور حسب خواہش قیام کا حق۔
- کسی بھی ملک بشمول اپنے ملک سے باہر جانے اور واپس اپنے ملک آنے کا حق۔
- قومیت کا حق۔
- شادی اور شریک حیات منتخب کرنے کا حق۔
- تنہا یا کسی کے ساتھ مل کر کسی چیز کے مالک ہونے کا حق۔

Marfat.com

- میراث کا حق۔
- فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق۔
- اظہار رائے کی آزادی کا حق۔
- پرامن اجتماع کی آزادی اور تنظیموں کے قیام کا حق۔

(۵) معاشی، اجتماعی اور ثقافتی حقوق، خاص طور پر:

- کام کا حق، کام کے انتخاب کا حق، مبنی بر انصاف اور مناسب کام کے مواقع کا حق، بے روزگاری سے تحفظ کا حق، ایک جیسے کام ایک جیسی اجرت کا حق، منصفانہ اور مناسب اجرت کا حق۔
- یونین اور سوسائٹی کے قیام اور اس میں شمولیت کا حق۔
- رہائش کا حق۔
- تعلیم و تربیت کا حق۔
- صحت عامہ، طبی امداد، معاشرتی تحفظ اور معاشرتی خدمات کا حق۔
- ثقافتی سرگرمیوں میں مساوی شرکت کا حق۔

(۶) کسی بھی جگہ آنے جانے کا حق، اور عوام الناس کے استعمال کے لئے پیش کی جانے والی خدمت کے حصول کا حق، جیسے وسائل نقل و حمل، ہوٹل، ریسٹورنٹ، چائے خانہ، تھیٹر، اور پارک وغیرہ (دفعہ نمبر ۵)۔

(ز) اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کام کرنے والی حقوق انسانی تنظیم نے اقلیتوں کے خلاف تفریق کی روک تھام اور ان کے تحفظ کے لئے، ۱۹۴۶ء میں ایک ذیلی کمیٹی کی تشکیل دی، جس کے اہم نتائج کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ شہری و سیاسی حقوق کے تحفظ کے لئے بین الاقوامی معاہدے کی دفعہ نمبر ۲۷ وجود میں آئی، یہ ۱۹۶۶ء کی بات ہے، اس معاہدہ میں صراحت تھی کہ جو لوگ کسی

Marfat.com

بھی ملک میں، نسلی، مذہبی یا لسانی اقلیت سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں دوسروں کے ساتھ مل کر اپنی ثقافت سے مستفید ہونے، اپنے مذہب کا اظہار کرنے، اس کی تعلیمات کی پیروی کرنے یا اپنی زبان استعمال کرنے کا پورا پورا حق ہے، کسی کو اس پر نکیر کی گنجائش نہیں۔[1]

اس دفعہ کی تکمیل، اسی معاہدے کی دفعہ نمبر ۲ کے فقرہ نمبر ۱ سے ہوتی ہے، جس میں درج ہے کہ موجودہ معاہدہ کا ہر فریق ملک یہ عہد کرے کہ وہ اپنے علاقہ اور دائرہ اقتدار میں بس رہے تمام لوگوں کے مقررہ حقوق کا پاس و احترام کرے گا اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی تفریق نہیں برتے گا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل، رنگ، جنس، یا زبان، مذہب یا سیاسی خیال سے ہو، اور اس کی قومی یا اجتماعی اصلیت کچھ بھی ہو، اسی طرح مالداری، ملکیت اور پیدائش کی صفت کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اس سے قبل دفعہ نمبر ۲۶ بھی اسی دفعہ کی تکمیل کرتی ہے، جس کے الفاظ ہیں: قانون کی نظر میں سارے افراد برابر ہیں، اور بلا کسی تفریق کے سبھوں کو مساوی طور پر اپنے تحفظ کا حق ہے۔ اس سلسلہ میں قانون ہر طرح کی تفریق کو حرام سمجھتا ہے اور تمام لوگوں کو کسی بھی قسم کی تمیز کے بغیر مؤثر اور مساوی تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، خواہ وہ تمیز نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب یا سیاسی رائے کی بنیاد پر ہو یا قومی، اجتماعی اصلیت، مالداری یا ولادت کی بنیاد پر۔

دفعہ نمبر ۲۷ نے کئی سوالات جنم دیئے ہیں، مثلاً:

اقلیت کی تعریف کا مسئلہ:

کیا مقصد یہ ہے کہ اقلیت، ملک کے بقیہ باشندوں سے تعداد میں کم ہو؟

---

[1] اس کمزور دفعہ میں، جس کی تیاری میں ایک مخصوص کمیٹی کو ۲۰ سال کا عرصہ لگا، اس سے زیادہ کچھ نہیں جو ۱۹۴۵ء کی قرارداد میں انسانی حقوق سے متعلق، عدم تفریق کے حوالہ سے ہے، اور جو ۱۹۴۸ء کے عالمی منشور میں ہے، اسی طرح یہ کمیٹی اقلیت کی کسی ٹھوس تعریف تک پہنچنے سے بھی قاصر رہی۔

Marfat.com

کیا اپنے تشخصات کی حفاظت کے لئے کسی جماعت کی جدوجہد کے ضمن میں کوئی رہنمائی ملتی ہے؟

کیا اقلیت کی عددی مقدار یا اس کے وجود کی مدت کا کچھ حاصل ہے؟۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں ہے۔

اور اس میں بھی شک نہیں کہ اقلیت کے تحفظ سے مراد اس کے افراد کا تحفظ ہے، گروہ یا جماعت کا تحفظ نہیں، تاکہ افراد کو یہ اختیار رہے کہ وہ اقلیت کے تحت رہیں یا پوری آزادی کے ساتھ اکثریت میں ضم ہو جائیں، اس کے باوجود جو لوگ اقلیت سے انتساب کو ترجیح دیتے ہیں ان کے لئے یہ حق محفوظ رہتا ہے کہ وہ جماعت کے بقیہ افراد کے ساتھ مل کر ان حقوق سے اجتماعی طور پر فائدہ اٹھائیں۔

اس سلسلہ میں مملکت کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ثقافت، مذہب اور زبان کے شعبوں میں اقلیت کی آزادی میں مداخلت نہ کرے، اس کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں حکومت کو مثبت رول بھی ادا کرنا چاہئے تاکہ ان حقوق کی تکرار کا کوئی حاصل نکل سکے جو یکساں طور پر اکثریت کو بھی حاصل ہیں۔ ان شعبوں میں اقلیت کے افراد کی ترقی کو یقینی بنانے کے لئے اور ان کے اور دیگر باشندگان وطن کے درمیان برتاؤ میں مساوات قائم کرنے کے لئے کچھ متعین اقدامات کیے جانے چاہئیں، حکومت کے کردار کے اس مثبت مفہوم کو اس طرح بھی حاصل کیا جا سکتا ہے کہ دفعہ نمبر ۲۷ اور دفعہ نمبر ۱۳، ۱۵ کے درمیان ہم آہنگی پر زور دیا جائے، ان دفعات کا تعلق اس بین الاقوامی معاہدہ سے ہے جو اقتصادی اجتماعی اور ثقافتی امور سے وابستہ ہے اور دفعات ۱۳ اور ۱۵، تعلیم، اور ثقافتی حقوق سے متعلق ہیں، یہ دونوں معاہدے ۱۹۶۶ء میں عمل میں آئے۔

(ح) اخیر میں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب تمام قوموں کو حق خود اختیاری حاصل ہے جیسا کہ دونوں معاہدوں کی دفعہ نمبر ۱ میں درج ہے، تو اقلیتی جماعتیں اپنے کو ''قوموں'' کے دائرہ

Marfat.com

میں شامل کر کے اس کا استعمال کرسکتی ہیں، اور انجام کار آزادی یا کم از کم حق خود اختیاری حاصل کرسکتی ہیں؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قوموں کے حق خود اختیاری کے مختلف مراحل کا مختصر جائزہ لے لیا جائے۔

(۱) اس اصول کا استعمال سب سے پہلے اس وقت ہوا جب پالینڈ ہسپانوی حکومت سے، شمالی امریکہ برطانوی حکومت سے، اور جنوبی امریکہ یوروپی سامراجی ممالک سے آزاد ہوا۔ اس کے بعد کثیر قومی شہنشاہی سلطنتوں کو توڑنے کے لئے اس اصول سے کام لیا گیا جیسے مملکت آسٹریا ہنگری، عثمانی خلافت اور روس کی قیصری مملکت وغیرہ۔

(۲) اس کے بعد پہلی جنگ عظیم کے دوران، مابعد جنگ ایک نئے بین الاقوامی نظام کی تشکیل کے لئے کسی بنیاد کی طرح اس پر اعتماد کیا گیا، اس نقطہ نظر کے حامی روسی اشتراکی انقلاب کے لیڈران اور امریکی صدر ولسن تھے، لیکن وہ لوگ اس کوشش میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے۔ دوسری جانب ہر چند کہ وسطی و مشرقی یورپ کی متعدد قوموں کی آزادی میں، خلافت عثمانیہ سے آزادی کی تمہید کے طور پر، عرب ملکوں میں انقلابی نظام کرنے میں، افریقہ اور بحرالکاہل میں جرمنی کی نوآبادیات میں اور سب سے اخیر میں نئے ممالک اور سابق دشمن ممالک میں اقلیات کے تحفظ کے لئے ایک نظام کی داغ بیل ڈالنے میں اس اصول کو نافذ کیا گیا، لیکن انہی حالات میں حلیف ممالک کی نوآبادیات میں اس اصول کو بروئے کار نہیں لایا گیا، اسی طرح کئی اہم علاقوں کے باشندوں کی رائے لئے بغیر، دوسرے ملکوں میں شامل کر دیئے گئے، جرمنی اور آسٹریا کی عوام سے ایک متحد ملک کی تشکیل میں کوئی رائے نہیں لی گئی بلکہ ان پر آئندہ کے لئے ''عدم اتحاد'' کو تھوپ دیا گیا۔

(۳) دوسری جنگ عظیم کے بعد ایک بار پھر اقوام متحدہ کی قرارداد میں یہ اصول جلوہ گر ہوا، خواہ

Marfat.com

سفارشات کے عنوان سے، جیسے دفعہ نمبر ۷۳ اور ۷۶ میں ہے یا خود تنظیم کے مقاصد کے ذیل میں، جیسے دفعہ نمبر ۱ کے فقرہ نمبر ۲ اور دفعہ نمبر ۵۵ میں ہے۔ اس قرارداد کی تشریح کرنے والوں میں اس اصول کی حد بندی کی بابت اختلاف سے یہ احساس پیدا ہوا، یہ اصول قانون سے زیادہ اخلاقی اور سیاسی ہے، اس کے بالمقابل سامراجیت کے خاتمہ (اعلان ۱۴/ ۱۲/ ۱۹۶۰ء) اور انسانی حقوق کی تنظیم کو حرکت میں لانے کا تصور مثبت تھا کہ اس اصول کو صرف ایک قانونی حق نہ مانا جائے بلکہ ایک انسانی حق تسلیم کیا جائے، جس کے بعد ہی ۱۹۶۶ء کی دو قراردادوں میں پہلی دفعہ کی حیثیت سے اسے شامل کیا گیا۔ یہ تصور ۲۴/ اکتوبر ۱۹۷۰ء کے اس منشور میں جس کا عنوان تھا ''دوستی اور تعاون پر مبنی تعلقات'' اور ۲۴/ دسمبر ۱۹۷۴ء میں جاری کردہ ظلم کی تعریف میں مزید پختہ اور مستحکم ہوا جب تحریک آزادی کی جدوجہد کو تشدد کی تعریف سے خارج کر دیا گیا، اور اسے جنیوا معاہدہ ۱۹۴۹ء میں خصوصی اہمیت اور حیثیت دی گئی۔ آزاد نو آبادیات میں حق خود مختاری کے نفاذ سے ہر چند کہ مثبت تبدیلی رونما ہوئی، لیکن قومی، مذہبی یا لسانی اقلیات میں اس کی تنفیذ شکوک وشبہات اور اختلافات کا ہی شکار رہی۔ چنانچہ ۱۴/ دسمبر ۱۹۶۰ء کے منشور میں، جو سامراجیت کے خاتمہ سے متعلق ہے، جنرل کونسل نے کہا ہے کہ قومی وحدت اور ملکی سلامتی کو نقصان پہنچانے کی کوئی بھی کوشش معاہدے کے اغراض ومقاصد کے خلاف ہے، اسی طرح ۲۴/ اکتوبر ۱۹۷۰ء کے جنرل کونسل کے منشور میں، جو ''دوستی پر مبنی تعلقات'' سے متعلق ہے، کہا گیا ہے کہ کسی بھی ملک کی حکومت قوم، مذہب اور رنگ ونسل کی تفریق کے بغیر ملک کے تمام لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے، لہٰذا کسی جمہوری ملک میں، اقلیت کی حق خود اختیاری کا دعویٰ ہر طرح ناقابل قبول ہے۔

(۴) لیکن بیسویں صدی کی نویں دہائی میں، سوویت یونین اور یوگوسلاویہ کے ٹوٹنے اور ان ملکوں سے بعض حصوں کے آزاد ہونے اسی طرح انڈونیشیا سے مشرقی تیمور کے آزاد ہونے کے

Marfat.com

بعد، جو مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کے فوائد عام نہ ہو سکے، چنانچہ سابق سوویت یونین اور سابق یوگوسلاویہ کی اسلامی مملکتیں ان سے محروم رہیں، اسی طرح کشمیر اور جنوبی فلپین کے لوگ بھی حق خود اختیاری کے استعمال سے محروم رہے، یہ صورت حال واضح طور پر بین الاقوامی پیمانے پر دوہرے معیار کی نشاندہی کرتی ہے، اور ہمیں اس تشریح کی حمایت پر مجبور کرتی ہے جو تمام قوموں کے ''حق خود اختیاری کے اصول'' کی مثبت اور وسیع تر انداز میں کی گئی ہے اور جو ۱۹۶۶ء کے دونوں معاہدوں کی پہلی دفعہ کی شکل میں موجود ہے۔ جس میں قومی، مذہبی اور لسانی اقلیتیں کچھ متعین قواعد وضوابط کے ساتھ شامل ہیں[1]۔

(ط) ۲۵ر نومبر ۱۹۸۱ء کو جنرل کونسل نے ''دین یا عقیدہ کی بنیاد پر مبنی تفریق اور عدم رواداری کی تمام شکلوں سے نجات'' کے تعلق سے ایک منشور جاری کیا جس میں درج ہے کہ تمام ممالک اپنے قوانین کو انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں گے اور ایسے قوانین بنائیں گے جن سے ہر طرح کی تفریق پر روک لگائی جا سکے اور جو تمام لوگوں کو مذہبی آزادی اور جملہ حقوق سے استفادہ کا عملی سہولت فراہم کریں، اس منشور کی دفعہ نمبر ۶ میں بطور مثال آزادی کی (۹) اقسام کا ذکر ہے:

(۱) دین یا عقیدہ سے متعلق اجتماع یا عبادت اور ان مقاصد کے لئے عمارتوں کی تعمیر اور ان کی بقائے دوام کے لئے حفاظت کا انتظام۔

(۲) خیراتی یا انسانی اداروں کا قیام اور ان کی بقاء دوام کی کوشش۔

(۳) دینی شعائر، مذہب یا عقیدہ سے متعلق ضروری مواد کی تیاری، ان پر تصرف اور مناسب حد تک ان کا استعمال۔

(۴) ان مسائل سے متعلق خصوصی پمفلٹس یا کتابچوں کی تیاری، اور ان کی تقسیم واشاعت۔

(۵) ان مقاصد کے لئے مناسب جگہوں پر دین اور عقیدہ کی تدریس۔

---

[1] مجوزہ ضوابط کا بیان آخری بحث میں آرہا ہے۔

Marfat.com

(۶) افراداوراداروں سے رضا کارانہ طور پر مالی وغیر مالی تعاون کا مطالبہ اور حصول۔

(۷) کسی بھی مذہب یا عقیدہ سے متعلق خاص صفات وشرائط کے ساتھ، مناسب قیادت کی ٹریننگ وتربیت اوراس قیادت کی تعیین وانتخاب یا موروثی طور پراس کی تعیین۔

(۸) مذہب یا عقیدہ کی تعلیمات کے موافق ،تہواروں، چھٹیوں اورایام راحت کی رعایت۔

(۹) دین وعقیدہ کے مسائل میں ،قومی و بین الاقوامی سطح پر افراد اور جماعتوں کے ساتھ مذاکرات کا حق اوراسے دائمی طور پر جاری رکھنے کی کوشش۔

سوم: تیسرا مرحلہ:

تیسرے مرحلہ کا آغاز ۱۹۹۲ء کے منشور کے اجراء سے ہوتا ہے،اس سے قبل اقلیتوں کے تحفظ اورتفریق کی روک تھام کے لئے قائم کی گئی ایک ذیلی کمیٹی نے ۱۹۷۱ء میں ایک خصوصی رپورٹ کی تیاری شروع کردی تھی ، جوقومی ،مذہبی اورلسانی اقلیات کے حقوق سے متعلق تھی اور جو ۱۹۷۷ء میں مکمل ہوئی۔ کمیٹی نے یہ رپورٹ حقوق انسانی کی تنظیم کو پیش کی اور مطالبہ کیا کہ اقوام متحدہ کی جنرل کونسل کی طرف سے ان اصولوں کی تفصیلات کے ساتھ ایک منشور جاری کیا جائے، جن کی بدولت ۱۹۶۶ء کی قرارداد کی دفعہ نمبر ۲۷ کے اغراض ومقاصد کو روبہ عمل لانا آسان ہوجائے۔

(الف) عملی طور پر یہ منشور ۱۸ردسمبر ۱۹۹۲ء میں جاری ہوا، اس کا نمبر ۴۷/ ۱۳۵، اور نام ''نسلی، مذہبی اورلسانی اقلیات سے تعلق رکھنے والے افراد کے حقوق کا منشور'' تھا۔ یہ منشور جس کی تیاری میں ۲۱ سال لگ گئے، ۹/ دفعات پر مشتمل ہے، جن میں سے چند اہم دفعات (نمبر ۲، ۳، ۴) کو ہم یہاں پیش کررہے ہیں:

دفعہ نمبر ۲: (۱) نسلی ،قومی، مذہبی اورلسانی اقلیات سے تعلق رکھنے والے افراد کو حق ہوگا کہ وہ اپنا خصوصی کلچر اپنائیں، اپنے خاص مذہب پر عمل کریں، اس کا اظہار کریں، اوراپنی خصوصی زبان

Marfat.com

استعمال کریں، یہ کام وہ پوری آزادی کے ساتھ بغیر کسی تفریق اور مداخلت کے خفیہ بھی کر سکتے ہیں اور برملا بھی۔

(۲) اقلیات سے تعلق رکھنے والے افراد کو حق ہوگا کہ وہ ثقافتی، مذہبی، اجتماعی و اقتصادی اور عوامی زندگی میں عملی طور پر شرکت کریں۔

(۳) اقلیات سے وابستہ افراد کو حق ہوگا کہ وہ قومی اور علاقائی سطح پر، جو بھی مناسب حال ہو، ان فیصلوں کی تشکیل میں عملی طور پر شرکت کریں، جو اس اقلیت سے متعلق ہوں جس کے وہ افراد ہیں یا اس علاقے سے جڑے ہوں جہاں وہ رہتے ہیں بشرطیکہ یہ شرکت اس انداز کی نہ ہو جو ملکی قانون سے متصادم ہو۔

(۴) اقلیات سے وابستہ افراد کو حق ہوگا کہ وہ اپنی خاص تنظیمیں قائم کریں اور ان کی دوام و بقاء کی کوشش کریں۔

(۵) اقلیات سے وابستہ افراد کو حق ہوگا کہ وہ آپس میں اور دوسری اقلیات کے افراد کے ساتھ پرامن اور آزاد تعلقات بحال کریں اور انہیں قائم و دائم رکھیں۔ اسی طرح کسی تفریق کے بغیر سرحد پار دوسرے ملکوں کے باشندوں سے تعلقات قائم کریں، جن سے نسلی قومی، مذہبی یا لسانی تعلق ہے۔

دفعہ نمبر ۳: (۱) اقلیات سے وابستہ افراد کو حق ہے کہ وہ انفرادی طور پر، نیز ایک جماعت کی حیثیت سے بلا کسی تفریق کے اپنے حقوق سے استفادہ کریں، ان میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جو اس منشور میں درج ہیں۔

(۲) اس منشور میں مذکورہ حقوق کے حصول یا عدم حصول سے ان افراد کو ضرر پہنچانا درست نہیں جو اقلیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

دفعہ نمبر ۴: (۱) حکومتوں پر لازم ہے کہ جب بھی ضرورت محسوس ہو، ایسی تدابیر اختیار کریں جن

Marfat.com

ہے اقلیات سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے تمام انسانی حقوق کا حصول اور بنیادی آزادی
ہے استفادہ آسان ہو، نیز یہ استفادہ مکمل اور فعال ہو، کسی طرح کی تفریق کا شکار نہ ہو، اور قانونی
تبار سے مکمل برابری کا حامل ہو۔

(۲) حکومتوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ کچھ تدابیر اپنائیں جن سے مناسب ماحول تیار ہو اور اقلیتوں سے وابستہ افراد کے لئے اپنے تشخصات کا اظہار اور اپنی ثقافت، زبان، مذہب، روایات اور عادات کو فروغ دینا ممکن ہو، البتہ جن حالات میں اقلیتوں کی مذکورہ سرگرمیوں سے قانون شکنی ہوتی ہو یا بین الاقوامی معیارات کی خلاف ورزی لازم آتی ہو تو وہ حالات مستثنیٰ ہیں۔

(۳) اسی طرح ملکوں کے لئے یہ بھی مناسب ہے کہ وہ کچھ ایسے وسائل اختیار کریں جن سے ممکن حد تک اقلیتوں سے وابستہ افراد کو اپنی مادری زبان سیکھنے یا مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے کافی مواقع میسر ہوں۔

(۴) ملکوں کو چاہئے، کہ جب حالات موافق ہوں تو تعلیم کے میدان میں ایسے وسائل اختیار کریں جن سے اندرون ملک اقلیتوں کی تاریخ، ان کی عادات واطوار اور زبان وثقافت کے بارے میں جاننے کی حوصلہ افزائی ہو اس کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے افراد کو اپنے دائرے میں معاشرے سے متعلق آگاہی حاصل کرنے کے مناسب مواقع فراہم ہونے چاہئیں۔

(۵) ملکوں کو چاہئے کہ اقلیتوں کے افراد کے لئے کچھ ایسی تدابیر پر غور کریں جن سے وہ اندرون ملک معاشی ترقی اور فروغ میں بھرپور حصہ لے سکیں۔

(ب) ۲۲ دسمبر ۱۹۹۳ء میں سلامتی کونسل نے قرارداد کی ساتویں فصل کے تحت ایک تجویز منظور کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کے لئے ایک عالمی فوجداری

Marfat.com

عدالت تشکیل دی جائے جو سابق یوگوسلاویہ میں بین الاقوامی انسانی قانون کی پامالی کے مرتکب ہوئے ہیں، خواہ یہ قانون ۱۹۴۹ء کے جنیوا معاہدات کا ہو یا پھر باہمی معاملہ اور عرف سے متعلق جنگی قانون کے دوسرے قواعد وضوابط کا حصہ ہو۔ اس دوران جن جرائم کا بڑے پیمانے پر گھناؤنے انداز میں ارتکاب کیا گیا ان میں دو جرائم سب سے نمایاں ہیں (۱) نسلی تطہیر، (۲) منصوبہ بند عصمت دری، یہ دراصل پرانے جرائم کے نئے نام ہیں۔ اسی طرح عدالتی نظام میں اس اصول کی صراحت ہے کہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے جرم کا ذمہ دار ہے، یہ وہ اصول ہے جو دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹوکیو اور نورنبرگ پر مقدمہ چلانے کے بعد پختہ شکل میں سامنے آیا۔

۱۸ر نومبر ۱۹۹۴ء میں سلامتی کونسل نے ایک دوسری قرارداد منظور کی جس میں ان جرائم کے لئے ایک بین الاقوامی فوجداری عدالت قائم کرنے کی بات کہی گئی جن جرائم کا ارتکاب روانڈا اور اس کے اطراف کے ممالک میں ہوا ہے

یہ وحشیانہ واقعات، جنگی جرائم یا انسانیت کے خلاف جرائم کی صف میں رکھے جاسکتے ہیں، لیکن ہمارے موضوع سے ان کا تعلق نہایت واضح ہے کیوں کہ بنیادی طور پر یہ واقعات نسلی مسئلہ کے آئینہ دار ہیں اور اسی کو ابھارتے ہیں، تنازعہ کے فریقوں نے اس مسئلہ کو اس طور پر حل کرنے کی کوشش کی کہ ایک وفاقی ڈھانچہ تشکیل دیا جائے اور ہر فریق کو ایک چھوٹا ملک دے دیا جائے، لیکن اس کے باجود مذہبی اور لسانی اقلیات کے لوگ ان چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بھی باقی رہ گئے، مثال کے طور پر بدقسمت بوسینیا ہی کو لے لیجئے، وہاں کی اقلیات کو ان کے پڑوسی اصلی ملک کی مدد حاصل ہے، اس لئے وہ اقلیت میں ہونے کے باوجود عسکری طور پر غالب ہیں، اقلیتوں کے ایسے حالات کو ''اقلیت کی تعریف'' کرتے ہوئے ذہن میں رکھنا ضروری ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف میں نے اقلیت کی تعریف کرتے ہوئے پہلی بحث میں اشارہ کیا تھا۔

(ج) ۱۰ر اگست ۱۹۹۳ء کو ذیلی کمیٹی نے ایک رپورٹ شائع کی جسے ایک ماہر شخص نے تیار کیا

Marfat.com

ہے۔ کمیٹی کو ذمہ داری دی گئی تھی کہ اقلیتوں سے متعلق مسائل کے تعمیری و پرامن حل سے متعلق قومی تجربات کو جمع کرے، یہ رپورٹ ۲۶ ملکوں کے ان جوابات پر مشتمل ہے جو انہوں نے مختلف سوالوں کے تحت دیئے ہیں۔ رپورٹ کے پیش لفظ میں مذکور ہے: اقلیات کے مسائل کا حل اس طرح نہ ممکن ہے نہ مناسب کہ اقلیتی گروہوں کو کچھ ممالک یا ممالک نما کچھ خطے دے دیئے جائیں جو دیگر تفریقی عناصر سے پاک ہوں، جیسا کہ بوسنیا کے معاملہ میں کیا گیا بلکہ ''کثرت میں وحدت'' یا ''پرامن بقائے باہم'' کے اصول پر عمل ہونا چاہئے، رپورٹ نے تحقیق کے بعد ''حل'' کے کئی نمونے پیش کئے ہیں، لیکن ایک تبصرہ نگار کا خیال ہے کہ ''ان نمونوں کی کامیابی استثنائی سیاسی احوال پر موقوف ہے، مختلف اقلیتوں کے حالات میں واضح فرق کو دیکھ کر لگتا ہے کہ مسئلہ کا اصل حل، دوطرفہ معاہدات کے ذریعہ متعدد حلوں کو روبہ عمل لانے میں مضمر ہے۔''[1]

بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے اس نتیجہ کے بعد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ملکی قوانین کی بھی چھان پھٹک کی جائے، جسے ہم انشاء اللہ آئندہ بحث میں کرنے جارہے ہیں۔

(د) اقوام متحدہ کی اقلیات کے موضوع میں دلچسپی مسلسل برقرار رہی ہے، چنانچہ اب تک اس نے درج ذیل امور انجام دیئے ہیں:

(ا) ۲۰ دسمبر ۱۹۹۳ء کو اقوام متحدہ کی جنرل کونسل نے ایک قرارداد پاس کی جو نسل پرستی اور نسلی تفریق کے خلاف جنگ کا تیسرا معاہدہ تھا، اور اس سلسلہ میں پانچ بنیادی عناصر پر مشتمل ایک عملی پروگرام ترتیب دیا گیا:

- بین الاقوامی سطح پر عمل۔
- ملکی اور علاقائی سطح پر عمل۔

---

[1] فرسیسکو کا بونورتی، ذیلی شاخ کے انسپکٹر، کتاب: united nations: Law, Politics and Practice، صفحہ ۱: ۸۹۲-۹۰۳۔

Inited Mations: Law. Poloticks & Practice. Pg: 892-903.

Marfat.com

- بنیادی دراسات وتحقیقات۔
- نظم وضبط ونگرانی۔
- وقفہ وقفہ سے مشورہ ومذاکرہ۔

(۲) اسی طرح انسانی حقوق کی کمیٹی نے نسل پرستی کی موجودہ شکلوں کی تفتیش کے لئے ایک خصوصی انسپکٹر نامزد کیا[۱]۔

اس خصوصی انسپکٹر کی ذمہ داریوں میں مہاجر ملازمین کی صورت حال کی تفتیش کو بھی اضافی طور پر شامل کیا[۲]، نیز اس کے ذمہ سیاہ فام باشندوں، عرب اور مسلمانوں کے حالات، غیر ملکیوں سے نفرت، حبشیوں سے نفرت اور سامیوں کی دشمنی جیسے موضوعات بھی اس کے ذمہ کیے گئے۔

(۳) اسی طرح ۱۹۹۵ء میں حکومتوں، اقلیتوں اور علمی شخصیات کے درمیان مذاکرات کے انعقاد کے لئے ایک پانچ نفری کمیٹی تشکیل دی گئی، جو مسائل کی تلاش کے بعد ان کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کرے[۳]۔

چہارم: مستقبل کا لائحہ عمل:

بین الاقوامی تنظیم درج ذیل مسائل کے حل کے ذریعہ، اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کو فروغ دینے کی راہ پر گامزن ہے:

(الف) قانونی اجبار کا مسئلہ:

یہ کام مختلف اعلانات وقراردادوں اور معاہدوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔

---

۱ Fact Sheet No.18(Rev,1) Minority Rights. Pg. 7,6۔

۲ خاص مہاجر ملازمین سے متعلق ایک بین الاقوامی معاہدہ بھی پاس ہوا، اسی طرح قومیت سے محروم لوگوں کے تحفظ اور پناہ گزینوں کے تعلق سے بھی ایک معاہدہ منظور ہوا، اور غیر ملکیوں سے متعلق ایک منشور شائع ہوا، حوالہ بالا، صفحہ ۹۔

۳ حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۷۔

Marfat.com

(۱) اعلانات، ان قراردادوں کو کہتے ہیں جو جنرل کونسل کی جانب سے صادر ہوتی ہیں اور ملکوں کے لئے ان کی حیثیت اجباری نہیں ہوتی، وہ محض سفارشات ہوتی ہیں جن سے صرف نظر کرنا مملکتوں کے لئے آسان ہے۔

اس دشواری سے بچنے کے لئے بین الاقوامی قانونی فکر نے ''پابندی'' کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (۱) خاص عمل کی پابندی۔ (۲) نتیجہ کی پابندی۔ جنرل کونسل کی سفارشات اگرچہ اس درجہ تک نہیں پہنچیں کہ ملکوں کو کسی خاص عمل کا پابند بنا سکیں لیکن وہ ملکوں کو ان مقاصد کے بروئے کار لانے کا پابند ضرور کرتی ہیں جو ان سفارشات کی اصل روح ہیں، جس کی وجہ سے ان سفارشات کو مسترد کرنے والا ایسی پوزیشن میں آجاتا ہے جو اقوام متحدہ کی ممبر شپ کی حیثیت سے متصادم ہوتی ہے کیوں کہ قرارداد کی دفعہ ۱، فقرہ ۳ جس میں اس تنظیم کے عمومی مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے، صراحت ہے کہ ممبر ممالک، تمام انسانوں کے حقوق اور بنیادی آزادی کو استحکام بخشنے کی خاطر باہمی تعاون کو بروئے کار لائیں گے... دوسری جانب حقوق انسانی کے منشورات جو جنرل کونسل کی سفارشات کا درجہ رکھتے ہیں، کچھ ایسے اخلاقی امور پر مشتمل ہیں جو افراد اور ملکوں کے یومیہ طریقہ کار کو منظم کر سکتے ہیں[1]۔

(۲) جب یہ کوشش اطمینان بخش ثابت نہیں ہوئی تو غور وفکر کے بعد ۱۹۸۱ء کے منشور میں ایک دفعہ شامل کی گئی جو ''متعین عمل کی پابندیوں پر مشتمل تھی، یہ دفعہ ۴ رتھی جس میں درج ذیل امور کی صراحت تھی:

(۱) مذہب یا عقیدہ کی بنیاد پر ہر طرح کی تفریق کو ختم کرنے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے تمام ممالک مؤثر تدابیر اختیار کریں، اور زندگی کے ہر شعبہ میں، خواہ اقتصادی ہو یا سیاسی، اجتماعی ہو یا ثقافتی، بنیادی آزادی اور انسانی حقوق کو تسلیم کیا جائے اور ان حقوق وآزادی سے بہرہ ور ہونے کا

---

[1] رپورٹ: القضاء على جميع أشكال التعصب ..." حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۵۰، ۵۱۔

Marfat.com

موقع فراہم کیا جائے۔

(۲) اس قسم کی تفریق سے نپٹنے کے لئے اگر ضروری محسوس ہوتو تمام ممالک اپنے یہاں قانون بنانے یا بنے ہوئے قانون کو ختم کرنے کے لئے پوری جدوجہد صرف کریں، نیز مذہب یا عقیدہ کی اساس پر قائم تعصب کی دیوار کو مسمار کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کریں[1]۔

(۳) پھر یہ کہ اس مسئلہ کا پختہ حل، بین الاقوامی طور پر اجباری قرارداد میں مضمر ہے، اس کی سفارش ایک تحقیقی مجلس نے کی تھی جو جنیوا میں ۱۹۸۴ء میں منعقد ہوئی تھی اور یہی بات پنسلوانیہ میں ۱۹۸۵ء میں منعقدہ ایک کانفرنس میں دہرائی گئی، ذیلی کمیٹی کی خصوصی تحقیقاتی ٹیم نے بھی اس پر زور دیا کیوں کہ اجباری قرارداد میں اس تعلق سے جو حکم درج ہے جو ۱۹۶۶ء کی قرارداد کی دفعہ ۲۷ رہے، باقی ۱۹۸۱ء اور ۱۹۹۲ء کا منشور تو محض سفارش کا درجہ رکھتا ہے۔

(۴) قانونی اجبار کے مسئلہ کا حل صرف یہ نہیں ہے کہ بین الاقوامی طور پر کوئی معاہدہ طے کرلیا جائے، بلکہ دوسرے تین امور ہیں جو اس حل کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں:

اول: معاہدہ پر دستخط سے وہ معاہدہ اجباری نہیں ہوتا، بلکہ یہ بات ضروری ہے وہ ممالک اسے دل سے تسلیم کریں اور اس کی تصدیق کریں، اس کے بعد بین الاقوامی طور پر ان تصدیقات کی نگرانی کی کوشش کی جائے اور جن ممالک نے اب تک دستخط نہیں کئے ہیں انہیں اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دی جائے۔

دوم: عالمی تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، سنجیدہ قانونی پابندیوں کو پروٹوکول سے الگ کردیا جائے تاکہ مختلف ممالک کو صرف معاہدہ میں شمولیت کا حوصلہ ہوسکے خواہ وہ پروٹوکول کی پابندی کے خواہش مند نہ ہوں، اس کے بعد بین الاقوامی سطح پر ان ممالک پر پروٹوکول میں شمولیت کے لئے دباؤ بنایا جائے۔

---

[1] حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۵۳۔

Marfat.com

سوم : بہت سے ممالک معاہدہ کی تصدیق کے وقت بعض تحفظات رکھ سکتے ہیں لیکن بعد میں بین الاقوامی طور پر ان تحفظات کو ختم کرنے کے لئے ان ممالک پر دباؤ بنایا جائے۔

(ب) بین الاقوامی التزام کا مشمول:

بین الاقوامی التزام کے مشمول کا حاصل یہ ہے کہ ہر ملک کے قانون و دستور میں ضروری اصلاحات کی جائیں تا کہ وہ معاہدے کے اصول سے متعارض نہ رہے، نیز معاہدے کے مشمولات کے نفاذ کو یقینی بنانے کے لئے ضروری قوانین بنائے جائیں[1]۔

اسی التزام میں یہ بھی شامل ہے کہ بعض اقوال و افعال کو جرم قرار دیا جائے، ذیلی کمیٹی کی خصوصی تفتیشی ٹیم نے، بعض ملکوں کے قوانین کی روشنی میں، اس طرح کے چند خطرناک افعال و اقوال کی جانب اشارہ بھی کیا ہے، مثلاً:

(۱) کسی مذہب، عقیدہ، اس کے پیروکار یا راہ نما کی شہرت کو انفرادی یا اجتماعی سطح پر داغدار کرنا قانوناً ممنوع ہے، خواہ مذاق اڑا کر اور حقارت آمیز انداز اپنا کر ایسا کیا جائے یا ذلت آمیز اور گھٹیا زبان استعمال کر کے یہ مذموم حرکت انجام دی جائے، کیوں کہ اس سے ان کی شرافت کو نقصان پہنچتا ہے، دشمنانہ احساسات سر ابھارتے ہیں اور ان کے تئیں بدنیتی کا اظہار ہوتا ہے، اسی طرح ان حرکات کی ترغیب دینا بھی قانوناً ممنوع اور قابل سزا جرم ہے۔ (۱۳ ممالک)۔

(۲) مذہب یا عقیدہ کی بنیاد پر منعقد ہونے والی عبادت یا تہوار میں شرکت کرنے یا شرکت نہ کرنے کے لئے مجبور کرنے کی غرض سے، افراد، جماعتوں یا تنظیموں کے خلاف قوت کا استعمال یا دھمکی آمیز رویہ کا اظہار قانوناً ممنوع ہے، ایسے ہی اس طرح کے کام پر اکسانا اور نہ کرنے پر سزا دینا بھی قانوناً جرم ہے (سات ممالک)۔

---

[1] حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۶۱۔

Marfat.com

(۳) مذہب یا عقیدہ سے وابستہ تہوار وعبادت کے انعقاد میں روڑے اٹکانا یا اعتراض کرنا قانوناً ممنوع ہے، خواہ یہ عمل ایسی سرگرمیوں کے ذریعہ انجام دیا جائے جن کا مقصد، مذکورہ بالا مقاصد کے لئے قانونی طور پر منعقد اجتماعات میں، رخنہ ڈالنا ہو، یا ان اجتماعات کے بائیکاٹ کے ذریعہ انجام دیا جائے، یا پھر مذکورہ سرگرمیوں کی انجام دہی پر ابھارا جائے اور نہ کرنے پر سزا دی جائے (چھ ممالک)۔

(۴) کسی فرد یا گروہ کے حق کی ادائیگی یا خدمت کی بجا آوری سے، اس کے مذہب یا عقیدہ کی بناء پر، پہلو تہی کرنا قانوناً ممنوع ہے، نیز اس جیسے عمل پر اکسانا یا اس پر سزا دینا بھی قانوناً جرم ہے (پانچ ممالک)۔

(۵) مذہبی شعائر کی ادائیگی کے دعویٰ کے پس پردہ، ملک کے باشندوں کے حقوق پامال کرنا یا کسی شخص کی عزت وآبرو کے ساتھ کھلواڑ کرنا قانوناً ممنوع ہے (ایک ملک)۔

(۶) مذہبی ہم آہنگی مکدر کرنا (ایک ملک)۔

(۷) مسلکی یا فرقہ پرستی کی اندھی عصبیت کا پروپیگنڈا کرنا (ایک ملک)۔

(۸) دوسروں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے یا ان کے عقائد کی اہانت کی غرض سے اقوال ومضامین نشر کرنا یا ان اقوال ومضامین کا زبان سے اظہار کرنا (ایک ملک)۔

(۹) کسی مذہبی شخص پر حملہ کرنا یا اس کی اہانت کرنا (ایک ملک)۔

(۱۰) مقدس مقامات کے تقدس کو پامال کرنا جس سے قانونی تحفظ کے حامل مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو (ایک ملک)۔

(۱۱) کوئی ایسی تنظیم چلانا جس کی سرگرمی ہر چند کہ مذہبی شعائر کی انجام دہی یا مذہبی عقائد کی تبلیغ کے لئے ہو، عام لوگوں کی صحت کے لئے مضر ہو، یا کسی دوسرے انداز میں عام لوگوں کے ذاتی حقوق پر تعدی ہو، یا جس تنظیم کی سرگرمی سے عام لوگوں کو اجتماعی عمل یا شہری ذمہ

Marfat.com

داریوں کی ادائیگی کے انکار کی جسارت ہوتی ہو، یا اس تنظیم کے لئے اقتدار مہیا کرنا مقصود ہو (ایک ملک)[1]۔

(ج) ملکوں اور حقوق انسانی کی پامالیوں کی نگرانی:

اسی طرح اقوام متحدہ کی تنظیم، ملکوں کی نگرانی کے طریقوں کو فروغ دینے کی کوشش کرتی ہے کہ وہ اقلیات کے حقوق کے تئیں کس حد تک اپنی پابندیوں اور وعدوں کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں، اور ان حقوق کو کس قدر پامال کر رہے ہیں، اور ان معلومات کو اعداد وشمار کی روشنی میں پختہ کر کے عوام کے سامنے پیش کرتی ہے، اقوام متحدہ نے اس سلسلہ میں ملکوں کی رپورٹوں اور ہدایات کو جمع کرنے کے تعلق سے ایک خصوصی نظام تشکیل دیا ہے۔[2]

(د) تعلیم وتربیت:

تنظیم اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ عصبیت اور تفریق، ملکوں کے صرف نظامہائے قانون کی پیداوار نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں اجتماعی اور ثقافتی شعبوں میں پیوست ہیں، لہٰذا عصبیت اور تفریق کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے موقف میں تبدیلی پیدا ہو، اور یہ کام تعلیم کی ایسی منظم کارروائی کے ذریعہ ہی انجام پا سکتا ہے جو خاندان اور معاشرہ کو حاوی ہو، اس سلسلے میں یونسکو کی سفارش مجریہ ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۸ء کا قانونی دستاویز موجود ہے جو حقوق انسانی کی تدریس سے متعلق ہے۔

---

[1] حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۲۴، ۲۵۔

[2] حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۶۶۔

The United Nations and Human Rights 1945-1995 Manual on Human Rights, Reporting U.N. Centre for Human Rights and U.N. Institute for Traning and Research U.N. New York. 1991, 92-125

Marfat.com

دونوں دستاویزوں کا خلاصہ یہ ہے کہ تدریس تعلیم کے تمام مراحل وصورتوں کو حاوی ہو، اور حقوق انسانی کی فلسفیانہ تشریح، اس کے قانونی مفہوم کی گرہ کشائی اور تاریخی تدریج پر روشنی ڈالنے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان حقوق کو عملی طور پر نافذ کیا جائے، اور مقصد یہ ہے کہ حقوق انسانی کے تئیں احترام ورواداری کا ماحول پیدا کیا جائے، اور اس کے تقاضہ کے مطابق معلمین کی تیاری، درسی کتابوں کی تصنیف کا کام انجام دیا جائے[1]۔ انسانی حقوق کے تئیں احترام کی فضا قائم کرنے اور اسے قوت بہم پہنچانے کی غرض سے مناسب تعلیمی مضامین ووسائل کی فراہمی کا پروگرام مرتب کیا جائے، کہ یہ حقوق مختلف لوگوں کے اعتبار سے مختلف ہوسکتے ہیں، یہ اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعہ بچوں اور لڑکوں پر لادی گئی غیر ضروری ذمہ داریوں اور سخت گیر، رسمی طور طریقوں کا خاتمہ کیا جاسکے اور ان کی جگہ درست اور مناسب طرز عمل کو وجود بخشا جائے، یہی صورتحال تربیت ساز افراد، خاندان کے ذمہ داروں، کارکنوں اور ذرائع ابلاغ کے لوگوں کی بھی ہے[2]۔

(ہ) ناقدانہ نظر:

بین الاقوامی تنظیم کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے والا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان سرگرمیوں اور کارروائیوں کی رفتار نہایت سست ہے اور یہ بیوروکریسی کی شکار ہیں جس کی وجہ سے ان کا مقصد فوت ہورہا ہے، ان کا اثر رپورٹ کی حد تک محدود ہوکر رہ گیا ہے اور زمینی حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، یہ سرگرمیاں درج ذیل ہیں۔

(ا) بین الاقوامی تنظیم کی جانب سے مختلف ملکوں کو، صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لئے جو پرچے بھیجے گئے تھے، ان کے جوابات سے زمینی حقیقت کا پتہ چلتا ہے، حکومتوں پر ان

---

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ذیلی کمیٹی کی رپورٹ: صفحہ نمبر ۶۲۔۶۵ اور یونسکو کی مذکورہ بالا دستاویز۔

[2] حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۷، ۶۰۔

Marfat.com

پرچوں کا جواب بھیجنا لازم نہیں تھا اسی وجہ سے ۱۸۵ ملکوں میں سے صرف ۴۴ ملکوں نے جوابات ارسال کیے[1]۔ اس مسئلہ کا حل اس طرح بھی ممکن تھا کہ تنظیم کے ماہرین کو ملکوں کے قانونی و دستوری حالات کی تحقیق پر مامور کر دیا جاتا، جو واضح اور کھلے ہوئے تھے اور پھر ان کی رپورٹ سے صحیح صورت حال معلوم کر لی جاتی۔

(۲) ان جوابات کی چھان پھٹک سے پتہ چلتا ہے کہ ہم صحیح رخ پر گامزن نہیں ہیں، بعض ملکوں کے دساتیر و قوانین بین الاقوامی معیار کی اونچی سطح پر ہیں لیکن وہی ممالک اقلیتوں کے حقوق کی پامالی میں بھی سب سے آگے ہیں، پس معلوم یہ ہوا کہ قانونی تصریحات الگ ہیں اور ان پر عمل بالکل مختلف شئی۔

(۳) ان تحقیقات اور رپورٹوں کے بعد بین الاقوامی سطح پر اعلامیوں اور قراردادوں کا نمبر آتا ہے جو دستوری اور قانونی اعتبار سے حتمی ضمانتوں اور مطلوبہ معیارات پر مشتمل ہوں، اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے اعلامیے کی تیاری میں ایک طویل مدت لگ سکتی ہے اور یہ عرصہ بیس سال سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔

اور اخیر میں اس معاہدے میں شمولیت بھی لازمی نہیں ہوگی اور بیشتر ممالک شمولیت یا تصدیق کے وقت تحفظات بھی رکھیں گے، جس کے بعد ان تحفظات کو ختم کرنے کے لئے بین الاقوامی دباؤ کا سلسلہ شروع ہوگا..... بعض معاہدات میں اس صورت حال کا احساس کر کے ملکوں کی پابندیوں کو معاہدے سے الگ کر کے اختیاری پروٹوکول میں شامل کر دیا جائے گا، جس سے ملکوں کو اختیار مل جائے گا کہ وہ معاہدے میں شمولیت اختیار کریں اور اس پروٹوکول میں شامل نہ ہوں جو حقیقت میں التزام کا جوہر اور نفاذ کا ذریعہ ہے۔

(۴) تنظیم جہاں ایک طرف اس کی کوشش کرتی ہے کہ ممالک معاہدہ میں شمولیت اختیار کریں

---

[1] ہر چند کہ خاص اسی تعلق سے رپورٹوں اور ہدایات کا پورا نظام موجود ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

Marfat.com

اور تحفظات سے دست بردار ہو جائیں وہیں دوسری طرف اس کی نگرانی بھی کرتی ہے کہ ممالک کس حد تک اپنے وعدوں کو نبھا رہے ہیں اور اس کے لئے عام طور پر اختیاری سالانہ رپورٹوں کا سہارا لیتی ہے، ساتھ ہی بنیادی طور پر اس جانب توجہ مبذول کرتی ہے کہ ممالک سب سے پہلے اپنے اپنے دستور میں اس کے بعد اپنے قوانین میں ترمیم کریں تا کہ وہ بین الاقوامی معیار سے ہم آہنگ ہو سکیں، ان میں سے ہر کارروائی پانچ سال سے زیادہ عرصہ لیتی ہے۔

(۵) سب سے اخیر میں اس بات کے جائزہ کی نوبت آتی ہے کہ یہ قراردادیں کس حد تک روبہ عمل آئی ہیں، اس کے لئے بین الاقوامی مشنریوں اور عالمی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ ملکی رپورٹیں تو ہر حالت میں، حال و مستقبل سے متعلق خوش کن اور مثبت ہوتی ہیں۔ نتیجتاً ہمارے پاس غیر واقعی رپورٹوں کا ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جو صحیح حقیقت کی ترجمان نہیں ہوتیں، چاہے وہ رپورٹیں قرارداد منظور ہونے سے پہلے کی ہوں یا بعد کی، اور اس کی وجہ سے تبدیلی کی بین الاقوامی کوشش کے اثرات اگر بالکلیہ معدوم نہیں ہوتے تو بڑی حد تک کمزور ضرور ہو جاتے ہیں۔

(۶) عملی اقدامات سیاسی سطح پر ہوتے ہیں، جہاں سیاسی و اقتصادی معاملات میں انسانی حقوق کی سیاست و تجارت کا عمل انجام پاتا ہے، امریکہ اپنے خصوصی مفادات کی خاطر، عالمی تنظیم کے دائرہ سے نکل کر، ان معاملات کی مارکٹنگ اور ان کے منافع کے حصول میں لگا رہتا ہے اور شاید حالیہ دنوں میں امریکہ کی حقوق انسانی تنظیم کی ممبرشپ سے محرومی اسی عالمی رجحان کی عکاس ہے کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو روکا جائے اور عالمی سطح پر اعتدال کو بحال کیا جائے، یہ ایک ایسا امر ہے جسے اساسی شرط تصور کیا گیا، کہ تمام ممالک، انسانی حقوق کے میدان میں بین الاقوامی معیارات کی تنفیذ کے لئے اپنی قیادت کو پابند

Marfat.com

بنائیں، ان حقوق کو ایک آلہ کار بنا کر نہ چھوڑ دیا جائے کہ امریکہ جب چاہے اپنے خصوصی مفادات کے لئے ان کا استحصال کرتا رہے۔

(و) فکر اور رویہ کو بدلنا ہی اصل حل ہے:

عالمی تنظیم نے احساس کرلیا کہ اقلیتیں، خواہ نسلی ہوں یا مذہبی، ان کے مسائل کا حل، صرف بین الاقوامی قراردادو منشورات کے ذریعہ ممکن نہیں اور نہ ہی ان قراردادوں کے نتیجہ میں عمل میں آنے والی والی دستوری ترمیمات وقانونی دفعات کے ذریعہ ممکن ہے، بلکہ ان کا حل تو اساسی طور پر، فکری و وجدانی سطح پر، اس بات میں مضمر ہے کہ افراد اور معاشرے، افکار وخیالات اور سلوک وعمل میں تبدیلی لائیں جو نسلی و مذہبی عصبیت کے زہر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے، یہی وہ کام ہے جسے ماہرین یونسکو تنظیم کے ذریعہ تعلیم وتربیت کے میدان میں انجام دینا چاہ رہے ہیں۔

ہمارے خیال میں یونسکو تنظیم بھی منصوبہ بندی اور نگرانی سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتی، اصل عملی کردار تو حکومتوں اور مذہبی قیادتوں کو انجام دینا ہے، خواہ علاقائی وملکی سطح پر ہو یا عالمی سطح پر، اور اس کی تمہید کے طور پر دو مسائل کا سنجیدہ حل تلاش کرنا ضروری ہے (۱) مختلف مذہبی قیادتوں کے درمیان ارتباط کا مسئلہ۔ (۲) اندرون ملک، حکومت و مذہبی قیادت کے مابین ارتباط کا مسئلہ۔

(۱) پہلے مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے کہ ایک مذہب دوسرے مذاہب کے تئیں کیا نظریہ رکھتا ہے، اس کا جائزہ لیا جائے، اور یہ کام اس طرح انجام پاسکتا ہے کہ ہر مذہب کی قیادت اس تعلق سے ضروری تحقیق کا کام انجام دے، اور یونسکو ان تحقیقات کو لے کر ایک عملی خاکہ مرتب کرے، پھر اس خاکہ کی بنیاد پر مختلف مذاہب کے نمائندے عمومی وخصوصی اجتماعات میں اکٹھے ہوں، یہاں تک کہ کسی مشترک دستاویز پر اتفاق ہوجائے۔ اس کے بعد یہ بھی لوگ اس دستاویز کے مشمولات کو اپنے ماننے والوں کے درمیان عام کریں تاکہ عصبیت وتفریق کا خاتمہ ہوسکے، ساتھ ہی اس دستاویز کے تقاضہ کے مطابق افراد سازی کا کام کیا

Marfat.com

جائے اور ایسے افراد تیار کیے جائیں جو مذہب پر ایمان رکھنے والوں کی راہ نمائی و تربیت کا فریضہ انجام دیں اور عالمی معیار کا لٹریچر اور کتابیں تیار کریں جو اس مقصد میں معاون ہوسکیں اور زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً، عبادت، اسکولس، خاندانوں اور ذرائع ابلاغ میں ان سے کام لیا جائے۔

(۲) دوسرے مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے کہ حکومتیں، مذہبی قیادتوں کے تئیں اور مذہبی قیادتیں حکومتوں کے تعلق سے کیا نظریہ رکھتی ہیں ان کا جائزہ لیا جائے۔

عالمی تنظیم نے محسوس کیا کہ حکومتیں، مذاہب کو اقتدار کی راہ میں کسی مقابل کی مانند تصور کرتی ہیں، اسی وجہ سے فرقہ وارانہ سیاست سے کام لیتی ہیں تا کہ حالات پر ان کا کنٹرول بدستور قائم رہے، اگر اندرون ملک مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پروان چڑھے تو ڈر ہے کہ حکومت کا کنٹرول کمزور پڑ جائے یا ختم ہو جائے[1]۔

یہاں مسئلہ صرف اس رشتہ میں منحصر نہیں ہے جو حکومت اور اقلیت یا اقلیتوں کے مذہب کے درمیان ہے، بلکہ اکثریت کے مذہب سے بھی مربوط ہے، اس طور پر اکثریت بھی اقلیتوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حکومت سے خود مختاری اور آزادی چاہتی ہے تا کہ حکومت، مذہبی سربراہوں کی تعیناتی میں دخل نہ دے سکے اور انہیں حکومت کا ملازم نہ تصور کیا جائے۔ ساتھ ہی عبادت گاہوں کے منبر حکومت کی تائید یا مخالفت میں استعمال نہ کئے جائیں، بلکہ ان منبروں کی پوری توجہ تربیت و راہنمائی پر مرکوز رہے، اور عوامی امور میں سے بس انہی مسائل میں دلچسپی لیں جو سب لوگوں کے یہاں متفق علیہ ہیں اور جن کا تعلق قوم و وطن سے ہے، اختلافی مسائل جن پر ثقافتی مجلسوں میں گفتگو ہوتی ہے یا جن میں سیاسی پارٹیاں دست بگریباں رہتی ہیں، یا جن میں اسمبلیوں اور پارلیامنٹ میں گرما گرم بحث ہوتی ہے، ان سے اپنے آپ کو علیٰحدہ رکھیں۔

---

[1] ذیلی کمیٹی کی رپورٹ۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۴۹۔

Marfat.com

اس رشتہ کو منضبط کرنے کے لئے بھی ہر ملک کی سطح پر تحقیقات کی ضرورت ہے، ساتھ ہی یونسکو کے تیار کردہ عملی خاکہ پر بحث ومباحثہ بھی ناگزیر ہے، اور یہ کام یونسکو کی زیرنگرانی ہو، اور اس وقت تک کیا جائے تا آں کہ ہر ملک میں ایک مشترک دستاویز وجود میں آجائے جو ان رشتوں سے اوپر بین الاقوامی معیارات کو عملی جامہ پہنائے۔

(۳) یہاں ایک تیسرا مسئلہ بھی ہے، ہمارا خیال ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیم اس کام کو یونسکو سے زیادہ بہتر طریقہ پر انجام دے سکتی ہے، یعنی نسلی اقلیتوں کے حالات کا صحیح اور درست جائزہ اور ان کا حل، کیا ہی بہتر ہوتا اگر بڑے ملکوں میں اقلیتوں کے حالات کے جائزہ کا کام شروع کردیا جاتا، مثلاً امریکہ میں کالوں اور سرخ ہندوستانیوں کے حالات، اور سوویت یونین میں غیر روسی قوموں کے حالات۔ اس مسئلہ میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ بین الاقوامی معیارات کی روشنی میں نگرانی کے وسائل اور نفاذ کے مختلف درجات کی تحدید کردی جائے۔

Marfat.com

Marfat.com

پانچویں بحث

دوسرے اصول وقوانین

Marfat.com

Marfat.com

دوسرے اصول وقوانین

ہم اس سے قبل اشارہ کر چکے ہیں کہ میدان میں صرف بین الاقوامی قانون ہی نہیں ہے، بلکہ دیگر قوانین بھی ہیں، مثلاً:

- بین الاقوامی دباؤ۔
- مسلم وغیر مسلم افراد کی فکری وفقہی تحریریں۔
- مسلم وغیر مسلم لوگوں کے تاریخی تعاملات وسرگرمیاں۔
- وطنی قوانین۔

یہیں پر ہم شریعت اسلامی کا تذکرہ کریں گے اور درج بالا موضوعات کو سرسری طور پر بیان کریں گے کیونکہ ہم نے یہ بحث ''شرعی قانون'' کے لئے خاص کی ہے۔

اول: بین الاقوامی دباؤ:

اصل کے اعتبار سے یہ قانون کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ بین الاقوامی قانون کے منافی ہے، جس کی رُو سے کسی بھی ملک کے لئے، دوسرے ملک کے داخلی امور میں دخل اندازی جائز نہیں، یہاں تک کہ اقوام متحدہ کو بھی ممبران ممالک کے داخلی امور میں دخل دینے کا اختیار نہیں، جیسا کہ دستاویز کی فصل ہفتم دفعہ (۲) میں صراحت ہے کہ'' اس دستاویز میں ایسا کچھ بھی نہیں جو ممبر ممالک سے مطالبہ کرے کہ وہ اپنے مسائل اس دستاویز کی روشنی میں حل کریں، گوکہ یہ اصول فصل ہفتم میں وارد خاتمہ کی تدابیر کے نفاذ میں مخل نہیں۔''

Marfat.com

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ملک مثلاً امریکہ دوسرے ممالک پر اپنا اقتدار تھوپتا ہے اور ان کے داخلی امور میں رخنہ اندازی کرتا ہے، خود ہمارے اس موضوع سے متعلق ۱۹۹۸ء میں امریکی کانگریس نے ایک قانون پاس کیا جس میں امریکی انتظامیہ کو اس بات کی نگرانی کا اختیار دیا گیا کہ دنیا بھر کے ممالک کس حد تک مذہبی آزادی کا احترام کرتے ہیں اور ہر ملک سے متعلق رپورٹیں تیار کرنے اور شائع کرنے کا اختیار دیا گیا، امریکی انتظامیہ اس سلسلے میں حسب عادت دوہرے پیمانے سے کام لیتی ہے، اور انسانی حقوق کے مسئلہ کا سیاسی استعمال کرتی ہے، چنانچہ اپنے مفادات کے زیر اثر کبھی ان حقوق کو اچھالتی ہے اور کبھی ان حقوق سے چشم پوشی کر لیتی ہے۔ اس سچی حقیقت کے باوجود یہ اصول اپنی جگہ موجود ہے کہ اس طرح کے دباؤ سے متاثر ہونا درست نہیں، بلکہ اس طرح کا دباؤ مقررہ بین الاقوامی اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

دوم: فقہی وفکری تحریریں:

(۱) ذاتی طور پر یہ فقہی تحریریں، انسانی اجتہادات کے سوا کچھ نہیں، ان کی حیثیت شرعاً اجباری نہیں، مزید برآں یہ اجتہادات مخصوص وقتی اور مقامی حالات کی پیداوار ہیں، جو حالات ہمارے موجودہ حالات سے یکسر مختلف رہے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنے حالات کے مطابق ازسرنو اجتہادات کئے جائیں اور نئے معاملات کا حل تلاش کیا جائے۔

(۲) لیکن اس کے بالمقابل یہ بھی ذہن میں رکھنا مناسب ہے کہ یہ فقہی تحریریں ہر چند کہ انسانی اجتہادات ہیں، ان کا موضوع وماٰخذ نصوص شرعیہ ہی ہیں، اور مذہبی ودینی پہلو سے یہ کسی بھی طرح خالی نہیں ہیں، نیز دوسری طرف یہ بھی مناسب ہے کہ ہم اپنے علمی ورثہ سے بے رخی نہ برتیں اور ایسا علمی ماحول تخلیق کریں جس میں اپنا تشخص ضم ہو جائے۔

(۳) پس اصل مقصود یہ ہے کہ اپنے فقہی ورثہ کے ساتھ ایسا مثبت رویہ اختیار کیا جائے جو اس ورثہ کو نہ تقدس کا درجہ فراہم کرے اور نہ اس کو متروک ومہجور کر دے، بلکہ اس ورثہ کو تنقید و

Marfat.com

تجزیہ کے عمل سے گزارا جائے جائے اور صالح کو باقی رکھ کر اس پر علم کی بنیاد کھڑی کی جائے، اور اس کے سوا سے احتراز کیا جائے، لیکن ساتھ ہی یہ شعور بھی پورے طور پر موجود ہو کہ یہ فقہی ورثہ ہمارے لئے کوئی مطلق قانون کی حیثیت نہیں رکھتا۔

ذیل میں فقہی آراء کی کچھ مثالیں درج کی جارہی ہیں جو شریعت سے متصادم ہیں، واضح رہے کہ یہ فقہی آراء بشری اجتہادات ہیں، انہیں نصوص کا تقدس حاصل نہیں، یہاں ان آراء کی تشریح اور ان کے جواز کی دلیل بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

(الف) وہ فقہی آراء جنہیں امام ماوردیؒ نے ''الأحکام السلطانیہ'' میں بیان کیا ہے[1]۔ اس کتاب میں امام ماوردی نے چھ امور کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ان امور کا التزام اہل ذمہ پر مستحب ہے:

(۱) حلیہ اور ہیئت بدلنا اور زنار باندھنا۔

(۲) ان کے گھر مسلمانوں کے گھروں سے اونچے نہ ہوں، اگر کم نہ ہوں تو زیادہ سے زیادہ برابر ہوں۔

(۳) ناقوس کی آواز، کتابوں کی تلاوت کی آواز اور حضرت عزیر و مسیحؑ کے متعلق اپنے عقیدہ کا اظہار اس زور سے نہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے کانوں میں پڑے۔

(۴) مسلمانوں کے سامنے علی الاعلان شراب نہ پئیں اور صلیب وخنزیر کا مظاہرہ نہ کریں۔

(۵) مخفی انداز میں اپنے مردوں کو دفن کریں اور ان پر آہ وزاری ونوحہ زور زور سے نہ کریں۔

(۶) عمدہ اور اصیل گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، خچروں اور گدھوں پر سوار ہو سکتے ہیں۔

(ب) ابن حزم نے فرمایا[2]: شرط ہے کہ اہل ذمہ اپنے اوپر لازم کریں کہ وہ گرجا گھروں اور

---

[1] ماوردی۔ الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ۔ قاہرہ، مصطفیٰ بابی حلبی پریس اینڈ کمپنی اینڈ سنس (Mustafa Press & Company and Sons) ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔ صفحہ نمبر ۱۴۵۔

[2] ابن حزم: مراتب الإجماع فی العبادات والمعاملات والاعتقادات۔ قاہرہ۔ ط: دار زاہد القدسی۔ صفحہ نمبر ۱۱۵، ۱۱۶۔

Marfat.com

رہائشی مکانات کے آس پاس کوئی نیا کام نہیں کریں گے، نہ کوئی عبادت گاہ بنائیں گے، نہ کوئی مندر، نہ پادری کی رہائش گاہ اور نہ ہی پادری کی کوٹھری تعمیر کریں گے، ان عبادت گاہوں میں سے اگر کوئی حصہ خراب ہو جائے یا گر جائے تو اس کی مرمت یا تجدید نہیں کریں گے، اور اگر کوئی مسلمان دن و رات کسی وقت ان کے گرجا گھر یا عبادت گاہ میں ٹھہرنا چاہے تو منع نہیں کریں گے، مسافروں کے لئے ان عبادت گاہوں کے دروازے کھلے رکھیں گے، اگر کسی مسلمان کا ان کے پاس سے گزر ہو تو تین دن تک اس کی مہمان نوازی کریں گے، کسی جاسوس کو پناہ نہیں دیں گے، مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قرآن نہیں سکھائیں گے، ان کے اہل خانہ میں سے کوئی اسلام میں داخل ہونا چاہے تو اس کو نہیں روکیں گے، مسلمانوں کا احترام کریں گے، ان کے لئے مجلسوں میں کھڑے ہو جائیں گے، لباس، ٹوپی، عمامہ، جوتے چپل، اور بال کی آرائش میں مسلمانوں کے ساتھ تشبہ اختیار نہیں کریں گے، ان کی طرح کلام نہیں کریں گے اور نہ ان کی طرح تحریر لکھیں گے، گھوڑوں پر سوار نہیں ہوں گے، ہتھیار نہیں لٹکائیں گے، اور نہ ہتھیار بند سفر کریں گے، اپنی دکانوں پر عربی زبان نہیں لکھیں گے، شراب نہیں بیچیں گے، سر کے اگلے حصہ کے بالوں کو کاٹیں گے، کمر میں زنار باندھیں گے، گرجا گھروں پر صلیب نمایاں نہیں کریں گے، اور نہ مسلمانوں کے راستے میں صلیب کا مظاہرہ کریں گے، مسلمانوں کے قریب اپنے مردے دفن نہیں کریں گے، مسلمانوں کے راستے میں گندگی نہیں پھیلائیں گے، ناقوس ہلکی آواز میں بجائیں گے، مسلمانوں کی موجودگی میں یا اپنے مردوں کے ساتھ، اپنی کتابوں کی تلاوت بلند آواز میں نہیں کریں گے۔ Palm Sunday اور صلیب کا مظاہرہ نہیں کریں گے، مسلمانوں کے راستے میں آگ لے کر نہیں چلیں گے، مسلمانوں کا حصہ جس غلام پر جاری ہو چکا اسے غلام نہیں بنائیں گے، مسلمانوں کی راہنمائی کریں گے، مسلمانوں کے دشمنوں کو ان پر چڑھائی کا موقع نہیں دیں گے، کسی مسلمان کو نہیں

Marfat.com

ماریں گے، نہ اسے گالی دیں گے، نہ اس سے خدمت لیں گے، نہ اس کی تذلیل کریں گے، مسلمانوں کو شرک و بت پرستی کے کلمات یا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر انبیاء پر سب وشتم نہیں سنائیں گے، شراب کا مظاہرہ نہیں کریں گے نہ علی الاعلان اسے پئیں گے، محارم سے نکاح نہیں کریں گے، اگر مسلمان ان کے علاقے میں سکونت پذیر ہوں تو وہ اپنے گرجا گھر اور عبادت گاہیں ڈھادیں گے۔

(ج) اسی قسم کی فقہی آراء میں سے وہ موقف بھی ہے جو بعض فقہاء نے ''الأدب المفرد'' اور صحیح مسلم کی اس حدیث کے تعلق سے اپنایا ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لاتبدأوا واليهود و النصارى بالسلام واضطروهم إلى أضيق الطرق'' (یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو اور انہیں تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کردو)، اس حدیث پاک کی روشنی میں بعض فقہاء نے ایسی آراء قائم کی ہیں جو شریعت کی قطعی نصوص کے ساتھ کھلے طور پر متعارض ہیں، ان نصوص میں مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ اہل کتاب کو ایذاء نہ پہنچائیں بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کریں (انشاء اللہ'' شرعی قانون'' پر گفتگو کے وقت ہم ان نصوص کو پیش کریں گے)۔

انہی فقہی آراء میں وہ رائے بھی ہے جو امام شوکانیؒ نے اپنی کتاب ''نیل الأوطار'' میں[1] مذکورہ حدیث کی تشریح کے دوران بیان فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مقصد یہود و نصاریٰ کو سلام میں پہل کرنے کی حرمت بیان کرنا ہے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ مسلمانوں کے لئے ان کو سلام میں پیش قدمی کرنا جائز ہے، جب کہ کچھ دوسرے بزرگوں کا خیال ہے کہ مسلمان ان کو سلام کرتے ہوئے ''السلام علیک'' کہے، ''علیکم'' جمع کے صیغہ کے ساتھ نہ کہے۔ ان حضرات کا استدلال ان احادیث کی عمومیت سے ہے جو سلام کو عام کرنے سے متعلق وارد ہوئی ہیں، یعنی

---

[1] الشوکانی: نیل الأوطار شرح ملتقی الأخبار۔ قاہرہ۔ مکتبۃ التراث۔ ج۸۔ صفحہ نمبر ۲۲۵۔

Marfat.com

خاص کے مقابلہ عام پر عمل کو ترجیح دی گئی ہے، لیکن ان حضرات پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ یہ تو عام محققین کے نزدیک ثابت شدہ ضابطہ کے خلاف ہے... امام شافعی علیہ الرحمہ کے بعض شاگردوں کی رائے یہ ہے کہ ان کو سلام میں پہل کرنا ضرورت وحاجت کی وجہ سے مکروہ ہے... اس کے بعد بقیہ حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "جب تم ان سے راستے میں ملو تو انہیں تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کردو" اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی مسلمان کے لئے ذمی کے واسطہ درمیان راستہ کو چھوڑنا جائز نہیں، یہ ایک طرح سے ذمیوں کو ذلیل ورسوا کرنے کا ایک انداز ہے... آگے امام شوکانیؒ، امام نوویؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ذمیوں کے لئے راستہ میں تنگی اس طرح نہ کی جائے کہ وہ گڑھے میں گر پڑیں، یا کسی دیوار وغیرہ سے ٹکرا جائیں۔ استاذ فہمی ہویدی مسئلہ کی وضاحت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس حدیث کو مخصوص وقتی حالات کے پس منظر میں سمجھنا چاہئے جو عہد نبوی کی اسلامی سیاست کا تقاضہ تھی یعنی یہ استثنائی حالات میں استثنائی حکم کا نفاذ ہے، کسی عام قاعدہ کا اصول نہیں[1]۔

سوم: مسلمانوں کی تاریخی سرگرمیاں:

(الف) مسلمانوں کی تاریخی سرگرمیاں ہمارے لیے اصول کی حیثیت نہیں رکھتیں، ان کی حیثیت مسلم معاشروں کی ایک سچی تصویر کی ہے۔ ایسے انسانوں کی جو کبھی صحیح فیصلہ کرتے ہیں کبھی غلط، لیکن مجموعی اعتبار سے مسلمان ہیں، ہم ان کے لیے اسلام ہی کو حکم بناتے ہیں، چنانچہ ان کے مثبت اقدامات کی ستائش کرتے اور ان پر فخر کرتے ہیں اور ان کے منفی کرداروں کی مذمت کرتے اور ان کی حمایت سے گریز کرتے ہیں، ان کے منفی اقدامات سے متعلق زیادہ سے زیادہ ہم یہ کرسکتے ہیں کہ انھیں اس حوالے سے معذور سمجھیں اور باور کرلیں کہ ان کے کچھ حالات نے جن سے ہم نابلد ہیں انھیں ان سلبیّات میں دھکیل دیا ہے کہ وہ بہرحال انسان تھے، فرشتے نہیں۔

---

[1] فہمی ہویدی۔ مواطنون لا ذمیون موقع غیر المسلمین فی مجتمع المسلمین۔ قاہرہ، دار الشروق، ۱۹۸۵ء صفحہ نمبر ۱۷۷ تا ۱۸۸۔

Marfat.com

(ب) یہاں مقصود تاریخی سرگرمیوں کی کچھ مثالیں:

(۱) امام ماوردیؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ فقہی آراء سے زیادہ عملی تجربات کا اظہار ہے، بہر حال معاملہ خواہ ایسا ہی ہو یا یہ تجربات ان فقہی آراء کے نفاذ کی صورت میں سامنے آئے ہوں، اتنی بات ضرور ہے کہ یہ چھ امور، جن کو امام ماوردیؒ نے بیان کیا ہے، انہیں ان تجربات کی مثال کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جن کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا مناسب ہے۔

(۲) تاریخ، فقہ اور حدیث کی کتابوں میں ہمیں ''عہد عمر'' یا ''عمری شرائط'' جیسی اصطلاحات کی بازگشت تو سنائی دیتی ہے، لیکن اس عہد کے کسی مخصوص و متعین زمانہ کا اتہ پتہ نہیں چلتا، کیوں کہ اس سلسلے میں روایات اس درجہ مختلف ہیں کہ ان میں آغاز ہی سے شبہ پیدا ہوتا ہے، کیوں کہ اختلاف کا دائرہ خود روایت، اس عہد کے مختلف گوشوں اور اس کے جائے وقوع تک پھیلا ہوا ہے، جب کہ اس عہد کا موضوع ایک ہے، یعنی اہل ذمہ کی پابندیاں اور ذمہ داریاں، خواہ عبادت و گرجا گھروں سے متعلق ہوں یا مسلمانوں کے ساتھ ان کے معاملات سے متعلق، یا ان کے لباس و پوشاک اور سواریوں سے متعلق، لیکن ان تفصیلات میں بنیادی اختلافات نہیں ہیں، اسی عہد میں مذکور ہے کہ نصاریٰ (جن کی ماہیت کی تعیین میں اختلاف ہے) نے اپنے اوپر چند شرطیں لاگو کی تھیں، مثلاً: وہ اپنے شہر میں کوئی نیا گرجا گھر تعمیر نہیں کریں گے اور نہ ہی جو گرجا گھر گر پڑ چکے یا خراب ہو چکے ہیں ان کی مرمت کریں گے، وہ مسلمانوں کو اس بات سے نہیں روکیں گے کہ وہ ان کے گرجا گھروں میں شب و روز کسی وقت بھی فروکش ہوں، اور ان کے دروازے گزرنے والوں اور مسافروں کے لئے ہمیشہ کھلے ہیں وغیرہ وغیرہ...

موضوع پر بحث کے بعد استاد فہمی ہویدی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ ''عہد'' خود ساختہ اور گھڑا ہوا ہے[1]۔

---

[1] فهمی هویدی: حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۱۱۔ ابن قیم: أحكام اهل الذمة، بيروت، دارالعلم للملايين طبع سوم ۱۹۸۳۔ ج ۲۔ صفحہ نمبر ۶۵۷۔

Marfat.com

جرجی زیدان اپنی کتاب'' تاریخ التمدن الاسلامی'' میں ان تجربات کی تشریح کرتے ہوئے زور دے کر فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پر سب سے زیادہ مظالم عہد وسطیٰ میں زوال وانحطاط کے دور میں ڈھائے گئے، خاص طور پر صلیبی جنگوں کے بعد، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہی جنگیں دونوں قوموں کے درمیان عصبیت بھڑکانے کا سبب رہی تھیں۔ کیوں کہ نصاریٰ خفیہ طریقہ پر انگریزوں کے حامی و مددگار تھے، مصنف نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا کہ'' قارا'' کے نصاریٰ جو دمشق اور حمص کے درمیان آباد تھے وہ ان جنگوں کے درمیان مسلمانوں کو چرا کر خفیہ طور پر انہیں انگریزوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے تھے، ۶۶۴ھ میں ایک غزوہ سے واپس ہوتے ہوئے سلطان ملک ظاہر کا ان کے پاس سے گزر ہوا تو حکم دے دیا کہ یہاں کے باشندوں کو لوٹ لیا جائے اور ان کے بڑوں کو قتل کر دیا جائے، پھر وہ ان کے بچوں کو غلام بنا کر ساتھ لے آئے، یہ بچے دیار مصر میں ترکوں کے درمیان پروان چڑھے، اور بعد میں لشکر کے سپاہی اور سپہ سالار ہوئے[1]۔

---

[1] حسن الزین: أهل الكتاب فی المجتمع الإسلامی۔ بیروت، لبنان، دارالفکر الحدیث۔ طبع اول ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔ صفحہ نمبر ۹۲۔ بحوالہ جرجی زیدان: تاریخ التمدن الاسلامی۔ ج ۴۔ صفحہ نمبر ۱۳۴۔

Marfat.com

چھٹی بحث

شرعی قانون (دوسرے پر نظر کی جہت سے)

Marfat.com

Marfat.com

شرعی قانون (دوسرے پر نظر کی جہت سے)

مقدمہ:

اس سے قبل ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بین الاقوامی اصول ہی صرف میدان میں نہیں ہے، اس کے پہلو بہ پہلو، مختلف ملکوں کے متعدد قومی قوانین بھی ہیں جو ان ملکوں کی اقلیتوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

اور جب ہم نے اقلیتوں کے مسائل بیان کئے تھے اس وقت حالات کے نوع بنوع اختلاف کی متعدد مثالیں بھی پیش کی تھیں۔

یہاں ہم جو بات بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ہے موضوع سے متعلق اسلامی شریعت کا موقف، جو کسی نہ کسی صورت میں ۶۵ ممالک یعنی ایک تہائی دنیا کے ممالک کا اصول ہے، اور یہی اس بحث کا موضوع ہے، جب ہم اسلامی شریعت کی بات کرتے ہیں تو ہمارا مقصد قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی نصوص ہوتی ہیں، اور انہی کو ہم ''شرعی قانون'' سے تعبیر کرتے ہیں جو مطلق اختیار کا حامل ہے۔

جہاں تک فقہی آراء اور تاریخی تجربات کا تعلق ہے تو ان پر بحث، غیر مطلق مرجعیت یا غیر مطلق قانون کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

(الف) شرعی قانون کا دائرہ

قرآن وسنت کے نصوص بھی ایک درجہ کے نہیں ہیں:

Marfat.com

(۱) پہلے درجہ میں وہ نصوص ہیں جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں، ان سے مراد قرآن کی وہ آیات ہیں جو قطعی الدلالت (یعنی محکم) ہیں اور وہ احادیث نبویہ ہیں جو متواتر اور قطعی الدلالت ہیں۔

اس کے بعد ان نصوص کا درجہ ہے جو قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہیں یعنی وہ قرآنی آیات جو ظنی الدلالت ہیں اور وہ احادیث نبویہ جو متواتر اور ظنی الدلالت ہیں۔

تیسرے درجہ میں وہ نصوص ہیں جو ظنی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں یعنی اخبار احاد جو قطعی الدلالت ہیں۔

اور سب سے اخیر میں چوتھے نمبر پر وہ نصوص ہیں جو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہیں ان سے مراد وہ اخبار احاد ہیں جو ظنی الدلالت ہیں۔

(۲) نصوص کی اس درجہ بندی کا فائدہ یہ ہے کہ وہ نص جو ادنیٰ درجہ کی ہے، وہ اپنے سے اعلیٰ درجہ کی نص کے برابر نہیں قرار دی جاسکتی، اصول فقہ میں ''قواعد ترجیح'' پر عمل کرنے کے لئے شرط ہے کہ متعارض نصوص کے درمیان رتبہ میں یکسانیت ہو، رتبہ میں یکسانیت نہ ہونے کی صورت میں کوئی پریشانی ہی نہیں ہے کیوں کہ جو نص اعلیٰ درجہ کی ہے اسی پر عمل ہوگا۔

(۳) قطعی الثبوت نصوص کی پرکھ کے لئے علم روایت کے اصول کو بروئے کار لایا جاتا ہے، جو انسانوں کے علم میں روایتوں کی جانچ پڑتال کے اعلیٰ ترین ضوابط ہیں۔

قطعی الدلالۃ نصوص کی پرکھ کے لئے اس زبان کے قواعد سے کام لیا جاتا ہے جس زبان میں وہ نصوص وارد ہوئی ہیں، یعنی عربی زبان، نیز روایت کی چھان پھٹک کے قواعد پر اکتفا نہ کرکے درایت یعنی متن کی چھان پھٹک کے قواعد کی پیروی کی جاتی ہے[1]۔

---

[1] ملاحظہ ہو: ڈاکٹر عزیہ علی طہ: منهجية جمع السنة و جمع الأناجيل (تقابلی مطالعہ) کویت، دار البحوث العلمية ۱۹۸۷، ڈاکٹر صبحی صالح: علوم الحديث ومصطلحاته .بیروت، دار العلم للملايين، ۱۹۶۵ء، طبع سوم، ۱۴۶۔۱۵۵، ڈاکٹر محمد طاهر جوابی جهود المحدثين فی نقد متن الحديث النبوي الشريف.تیونس.طبع: نشر مؤسسات عبدالكريم عبدالله ۱۹۸۶ء۔ صفحہ نمبر ۳۶۲-۴۰۲۔

Marfat.com

(ب) بحث کے موضوع یعنی فقہ الاقلیات کی مناسبت سے چند امور توجہ طلب ہیں، جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

(ا) یہ موضوع بین الاقوامی برادری کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے اور اس سے متعلق بعض بین الاقوامی قراردادیں بھی پاس ہوئی ہیں نیز کچھ منشورات کا بھی اعلان کیا گیا ہے۔قراردادوں کی لزومی حیثیت اگرچہ مشکوک ہے، گوکہ ہم اس کے برخلاف سمجھتے ہیں جیسا کہ اس کی وضاحت پہلے گزری، لیکن معاہدوں کی لزومی قوت وحیثیت پوری طرح مسلّم ہے، یہیں سے معلوم ہوا کہ اسلامی ممالک جو ان معاہدوں میں شامل ہیں، ان کے مشمولات کی پابندی ان پر شرعاً واجب ہے، بالخصوص جب کہ یہ اسلامی شریعت کے مخالف بھی نہیں، ارشاد خداوندی ہے: يأيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود (مائدہ:۱) اے ایمان والو! عہد پورے کرو، دوسری جگہ ارشاد ہے: والموفون بعهدهم إذا عٰهدوا (البقرہ:۱۷۷) وہ لوگ جب عہد کرتے ہیں تو ان کو پورا کرتے ہیں۔

یہ عہد دائمی قوانین کی طرح ہیں، ان کی حیثیت خصوصی اور عارضی نہیں ہے۔اس کے بعد ان قراردادوں سے، احکام شرعیہ کے اشتراک کے ساتھ جن کا ذکر آگے آرہا ہے، ایک مشترکہ مجموعہ مرتب کیا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کے مآخذ ومصادر مختلف ہوں۔

(۲) بین الاقوامی قانون، جس کے اسلامی ممالک پابند ہیں، کیوں کہ وہ اقوام متحدہ میں شامل ہیں، نیز اقوام متحدہ کی قرارداد اور عالمی عدالت انصاف کے بنیادی نظام سے بھی انہیں مکمل اتفاق ہے، اس بین الاقوامی قانون میں وضاحت ہے کہ عالمی عرف، اس قانون کے اولین مآخذ میں سے ایک ماخذ ہوگا (دفعہ ۳۸ نظام)، اس قانون کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے: ''معاملہ بالمثل''، یعنی برابری کا برتاؤ[۱] ''معاملہ بالمثل'' کا اصول اسلامی شریعت میں بھی

---

[۱] علی صادق أبوهيف. القانون الدولی العام، الإسكندرية، منشأة المعارف ۱۹۹۳ء۔صفحہ نمبر ۷۶۷۔جعفرعبد السلام: مبادئ القانون الدولی العام. القاهره، دارالنهضة العربية،

Marfat.com

موجود ہے[1]۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''عامل الناس بما تحب أن یعاملوک به'' (لوگوں سے ایسا معاملہ کرو جیسا تم لوگوں سے اپنے لئے پسند کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا الله واعلموا أن الله مع المتقین'' (البقرۃ:۱۹۴) (جو تم پر زیادتی کرے تم اس سے زیادتی کے بقدر ہی بدلہ لو اور اللہ سے ڈرو! اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے)، وإن جنحوا للسلم فاجنح لها (الانفال:۶۱) (اگر وہ لوگ صلح کی جانب مائل ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ صلح کرلو) فإن قٰتلوکم فاقتلوهم (البقرۃ:۱۹۱) (اگر وہ تمہیں قتل کریں تو تم بھی انہیں قتل کرو) فما استقٰموا لکم فاستقیموا لهم (التوبہ:۷) (وہ تمہارے لئے سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے لئے سیدھے رہو)۔

''معاملہ بالمثل'' میں بھی اسلام کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے، چنانچہ اگر دشمن، مسلم عورتوں کی آبروریزی کریں تو مسلمانوں کے لئے ان کی عورتوں کی آبروریزی جائز نہیں، اگر دشمن، عورتوں اور بچوں کو قتل کریں تو مسلمانوں کے لئے ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا درست نہیں، اگر وہ مسلم قیدیوں کو بھوکا رکھیں یہاں تک کہ وہ مرجائیں[2] تو مسلمانوں کے لئے بدلہ میں ان کے قیدیوں کے ساتھ یہ برتاؤ روا نہیں اور اگر وہ مسلم شہداء کو مثلہ کریں تو مسلمان ان کے ساتھ ایسا نہیں کریں گے۔

گزشتہ تفصیل کی بناء پر اولاً شرعی اصول اور ثانیاً بین الاقوامی اصول کی رعایت کا تقاضہ ہے

= ۱۹۸۶ء۔ صفحہ نمبر ۸۲۳، ۸۲۴۔

أحمد أبوالوفاء: الوسیط فی القانون الدولي العام، القاهره۔ دار النهضة العربیة، ۱۹۹۵ء۔ صفحہ نمبر ۵۷۹۔

[1] محمد أبوزهرة، العلاقات الدولیة فی الإسلام، القاهرة، دار الفکر العربی۔ صفحہ نمبر ۳۶۔

[2] حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۳۲-۳۴۔

Marfat.com

کہ ہم اقلیتوں کے تمام مسائل پر اس نقطہ نظر سے غور کریں جس انداز سے اسلامی ملکوں کی غیر مسلم اقلیتوں اور غیر اسلامی ملکوں کی اقلیتوں کے مسائل پر غور کرتے ہیں، یعنی دونوں کو ایک ہی پیمانہ سے تولیں۔

(۳) جب ہم منہجی دائرہ کو بیان کررہے ہیں تو ایک شرعی قاعدہ کی جانب بھی اشارہ ضروری ہے جس کی صراحت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پاک میں ہے، فرماتے ہیں: "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيث وجدها فهو أحق بها"[1] کلمہ حکمت مومن کا گمشدہ متاع ہے، جہاں بھی اسے پائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

اس قاعدہ کا تقاضہ ہے کہ مختلف انسانی برادریوں کے تجربات اور پوری انسانی برادری مجموعی طور پر ایک ہی ہے، جس کا صحیح ہونا پوری طرح ثابت ہے، اس سے فائدہ اٹھانے میں مسلمانوں کو کوئی حرج نہیں بلکہ حدیث نبویؐ کے بموجب مسلمان ان تجربات سے نفع اٹھانے کے زیادہ حقدار ہیں اور وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان تجربات کو اپنے علمی، اخلاقی اور عملی پروگراموں میں حالات کے مطابق شامل کرلیں۔

دوسرے کی طرف نظر کی جہت سے:

اقلیات کے موضوع سے متعلق شرعی دائرہ، جس کے تانے بانے کتاب وسنت کے نصوص اوران سے ہم آہنگ فقہی آراء وتاریخی تجربات سے بنے ہوں، ہم ذیل میں پیش کرنے جارہے ہیں، یہ بحث دو محوروں پر ہوگی۔ (۱) ''دوسرے کی طرف نظر کی جہت سے'' جس میں متعدد فکری وشعوری گوشے ہوں گے۔ (۲) ''دوسرے کے ساتھ تعلق کی جہت سے'' اس کے تحت متعدد عملی

---

(۱) سنن ترمذی. كتاب العلم عن رسول الله ۔الحدیث ۲۶۸۷۔ ابن ماجه ، كتاب الزهد حدیث۔ ۴۱۵۹، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے اسی سند سے جانتے ہیں، ابراہیم بن فضل مدنی مخزومی حافظہ کے ضعف کے سبب ضعیف ہیں۔

Marfat.com

گوشے شامل ہیں۔

اول : نسل انسانی کی وحدت اور بحیثیت انسان، انسان کا احترام:

(الف) نسل انسانی کی وحدت:

نسل انسانی کی وحدت کا پتہ ان آیات سے چلتا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے عمومی انداز میں لوگوں کو خطاب کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) **یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثیٰ و جعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا** (حجرات: ۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قوموں اور مختلف خاندانوں میں بنایا تا کہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔

(۲) **یا أیهاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة و خلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونسآءً واتقوا اللّٰه الذی تساء لون به والأرحام إن الله کان علیکم رقیباً** (النساء:۱) اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں کو پھیلایا اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت کا پاس رکھو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **الناس بنو آدم و آدم من تراب**[1]۔ سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے بنے ہیں۔

---

[1] مسند احمد۔ حدیث نمبر ۱۰۳۶۳، ترمذی۔ کتاب المناقب۔ ۳۸۹۰، ۳۸۹۱، ابوداؤد۔ کتاب الأدب۔ ۴۴۵۲۔

Marfat.com

(۴) حجۃ الوداع کے موقع پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: **یا أیھا الناس إن ربکم واحد و آباء کم واحد**...[1] اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔

(ب) بحیثیت انسان، انسان کا اکرام:

قرآن کریم نے تنبیہ کی ہے کہ خدا کی طرف سے انسان کی عزت، بحیثیت انسان ہے، اس میں صنف، نسل اور برادری کی کوئی تفریق نہیں:

(۱) **ولقد کرمنا بنی آدم وحملنا ھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات و فضلنا ھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلاً** (الاسراء:۷۰) ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی، ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا، پاکیزہ چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

(۲) **لقدخلقنا الإنسان فی أحسن تقویم** (التین:۴) ہم نے انسان کو بہترین سانچہ میں پیدا کیا۔

(۳) **وصوّرکم فأحسن صورکم** (غافر:۶۴، التغابن:۳) اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور اچھی صورتیں بنائیں۔

(۴) ...**قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا** (البقرۃ:۳۴، الاعراف:۱۱، الاسراء:۶۱، الکہف:۵۰، طٰہٰ:۱۱۶) اور ہم نے فرشتوں کو کہا کہ سجدہ کرو آدم کو پس انہوں نے سجدہ کیا۔

(۵) **وإذقال ربک للملٰئکة إنی جاعل فی الأرض خلیفة**... (البقرۃ:۳۰) اور اس

---

[1] اس کی تخریج امام احمدؒ نے کی ہے اور اس کے راوی، ''صحیح حدیث'' کے راوی ہیں۔ اسی طرح "مجمع الفوائد و منبع الزوائد" میں بھی ہے جو ابوبکر ہیثمی کی تصنیف ہے، بیروت لبنان، دارالکتاب، طبع سوم۔۱۹۶۷ء، جلد ۳۔ صفحہ نمبر ۲۶۶۔

Marfat.com

وقت کو یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں روئے زمین میں ایک خلیفہ بنانے جارہا ہوں۔

انسان کی خلقی وشعوری صورت گری میں حسن کاری اور تمام مخلوقات پر اس کی برتری ایسا وصف ہے جس نے اسے روئے زمین کی خلافت کا اہل بنادیا۔[1]

دوم: وحدت دین:

اللہ تعالیٰ نے صرف وحدت نسل ہی کا ذکر نہیں کیا ہے، وحدت دین کی جانب بھی اشارہ فرمایا ہے، حدیث نبوی ہے:

إن ربكم واحد۔[2] بے شک تمہارا پروردگار ایک ہے۔

(الف) شرائع متعدد ہیں:

"ارشاد ربانی ہے: ... لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجاً ... (مائدہ:۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی۔ ولو شاء الله لجعلكم أمة واحدة ولكن ليبلوكم في ما آتكم فاستبقوا الخيرات (المائدۃ:۴۸) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کردیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں لہٰذا تم مفید باتوں کی طرف دوڑو۔ ولكل وجهة هو موليها فاستبقوا الخيرات... (البقرہ:۱۴۸) اور ہر مذہب والے کے واسطے ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ عبادت میں منہ کرتا رہا ہے، تو تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔

---

[1] سید قطب: فی ظلال القرآن۔ دارالشروق، طبع یازدھم۔ ۱۹۸۵ء، جلد ۶: صفحہ نمبر ۳۵۸۵، ۳۸۴۸۔ جلد ۱: صفحہ نمبر ۵۶۔ جلد ۵: صفحہ نمبر ۲۸۸۵۔

[2] مسند احمد۔ حدیث ۲۲۳۹۱، یہ حدیث شریف کا ٹکڑا ہے۔

Marfat.com

(ب) لیکن عقیدہ اصل میں ایک رہا ہے:

کیونکہ جب تک مصدر و ماخذ ایک اور آسمان سے نازل شدہ ہوگا اس وقت تک عقیدہ لازماً ایک ہی ہوگا کیوں کہ حق ایک ہوتا ہے، متعدد نہیں۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے:

(۱) کہیں وحدت دین کی تعبیر عام انداز میں کی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وأنزلنا إليک الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب ومهيمنا عليه (مائدہ:۴۸) اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ متصف ہے اور اس سے پہلے کی جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے۔

۲۔ کہیں اسلام کو ''ملت ابراہیم'' قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **قل إنّني هداني ربّي إلى صراط مستقيم دينا قيما ملة إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين** (الانعام:۱۶۱) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا راستہ بتلا دیا ہے ایک مستحکم دین جو ابراہیم کا طریقہ ہے جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ شرک کرنے والوں میں نہ تھے۔

ثم أوحينا إليک أن اتبع ملة إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين (النحل:۱۲۳) پھر ہم نے آپ کی جانب وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کیجئے جو ہر طرح کی کجی سے پاک ہے اور وہ شرک کرنے والوں میں نہ تھے۔

۳۔ کہیں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو ایسے کلمہ کی دعوت دی گئی ہے جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے، اس تصور کے ساتھ کہ یہ تینوں مذاہب ''ملت ابراہیمی'' کے وارث ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: **ولا تجادلوا أهل الكتٰب إلّا بالتي هي أحسن إلاّ الذين ظلموا منهم وقولوا ٰامنا بالذي أنزل إلينا وأنزل إليكم**

Marfat.com

وإلهناوإلٰهكم واحد ونحن له مسلمون (العنکبوت:۴۶)اورتم اہل کتاب کے ساتھ مہذب طریقہ سے مباحثہ کروسوائے ان کے جوزیادتی کریں۔اور کہوکہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جوہم پرنازل ہوئی اوران کتابوں پربھی جوتم پرنازل ہوئی، ہمارااور تمہارامعبودایک ہےاورہم تواسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ قل یا أهل الكتٰب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم ألاّ نعبد إلاّ اللّٰه ولا نشرک به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون اللّٰه فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون (آل عمران:۶۴) آپ فرمادیجئے!اےاہل کتاب آؤایک ایسی بات کی طرف جو ہمارےاورتمہارے درمیان برابر ہےوہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم اورکسی کی عبادت نہ کریں اوراللہ تعالی کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائیں اورہم خداکوچھوڑکرآپس میں ایک دوسرے کوقراردیں پھراگروہ لوگ حق سے اعراض کریں توتم لوگ کہہ دوکہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہوکہ ہم تومانے والے ہیں۔

۴۔ اورکبھی اس دائرہ کووسیع کرکے، یہودونصاری کےعلاوہ ''صائبین'' کوبھی شامل کیا گیا۔ ارشادخداوندی ہے: إن الذين اٰمنوا والذين هادوا والنصرىٰ والصٰئبين من اٰمن بالله والٰيوم الاٰخر وعمل صالحا فلهم أجرهم عندربهم ولا خوف عليهم ولاهم يحزنون (البقرہ:۶۲)مسلمان، یہودی،نصاری اورصائبین ان سب میں جوشخص یقین رکھتا ہواللہ کی ذات وصفات پراورروز قیامت پراوراچھےعمل کرتا ہو،ایسوں کے لیے ان کا اجر ہےان کے پروردگار کے پاس اوروہاں ان کوکسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں،اورنہ وہ مغموم ہوں گے۔

إن الذين اٰمنو والذين هادوا والصّٰبون والنصٰرىٰ من اٰمن بالله واليوم الاٰخر وعمل صالحا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون (المائدہ:۶۹)مسلمان،یہودی

Marfat.com

نصاری اور فرقہ صائبین میں سے جولوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان پر نہ خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں مغموم ہوں گے۔

۵۔ اور کبھی تمام انبیاء علیہم السلام کی شمولیت کی صراحت ہوتی ہے، ملت ابراہیم پر اکتفا نہیں کیا جاتا ارشاد ربانی ہے: وقالوا کونوا هودا أونصٰرٰی تهتدوا ،قل بل ملة إبراهيم حنيفاً وما كان من المشركين○ قولوا اٰمنا بالله وما أنزل إلينا وما أنزل إلى إبراهيم وإسمٰعيل وإسحٰق و يعقوب والأسباط وما أوتى موسىٰ و عيسىٰ وما أوتى النبيون من ربهم ولا كفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون (البقرہ: ۱۳۵، ۱۳۶) یہ یہودی ونصرانی لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی یا نصرانی ہوجاؤ، راہ راست پر آجاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم یعنی اسلام پر رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں اور حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام مشرک نہ تھے، مسلمانو! کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم ،حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور اس حکم ومعجزہ پر بھی جو حضرت موسیٰؑ وحضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے، اس طرح کہ ہم ان حضرات میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

قل اٰمنا بالله وماأنزل علينا وما أنزل على إبراهيم وإسمٰعيل وإسحق ويعقوب والأسباط وما أوتى موسىٰ و عيسىٰ والنبيون من ربهم لا نفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون ○ ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهوفى الأخرة من الخٰسرين (آل عمران: ۸۴، ۸۵) آپ فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحقؑ و یعقوبؑ اور اولاد

Marfat.com

یعقوبؑ کی طرف بھیجا گیا اور اس پر بھی جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

شرع لکم من الدین ماوصیٰ به نوحا والذی أوحینا إلیک وما وصینا به إبراهیم وموسیٰ و عیسیٰ أن أقیموا الدین ولا تتفرقوافیه ،کبرعلی المشرکین ماتدعوهم إلیه الله یجتبی إلیه من یشآء ویهدی إلیه من ینیب (الشوریٰ:۱۳) اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا اور ان کی امتوں کو یہ کہا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ مشرکین کو وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں، اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرے اس کو اپنے تک رسائی دے دیتا ہے۔

وما نرسل المرسلین إلا مبشرین و منذرین، فمن اٰمن وأصلح فلاخوف علیهم ولا هم یحزنون (الأنعام:۴۸) ہم پیغمبر کو صرف اس واسطہ بھیجا کرتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈراوا سنائیں، پھر جو شخص ایمان لے آئے اور نیک عمل کرلے تو ان لوگوں کو کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

یا بنی آدم إما یأتینّکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیٰتی فمن اتقی وأصلح فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون (الاعراف:۳۵) اے اولاد آدم، اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے اور میرے احکام تم سے بیان کریں گے، تو جو شخص تقویٰ اختیار کرے اور درستی کرے ایسے لوگوں پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

Marfat.com

اس بات کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: **الأنبیآء أخوة لعلات أمهاتهم شتی ودینهم واحد و أنا أولیٰ الناس بعیسیٰ ابن مریم**... [1] حضرات انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں، اور دین ایک ہے۔ میں سب لوگوں میں عیسی بن مریم سے زیادہ قریب ہوں۔

۶۔ کبھی نجات کے لیے بطور شرط اس پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ اپنا رخ خدا کے لیے خالص کرلیا جائے، احسان، ایمان اور استقامت کے وصف سے اپنے کو آراستہ کرلیا جائے۔ کسی متعین دین کی طرف اشارہ نہیں ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے: **ألاّ خوف علیهم ولا هم یحزنون** (ان پر نہ خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: **وقالوا لن یدخل الجنة إلا من کان هودا أو نصاریٰ ،تلک أمانیهم ، قل هاتوا برهانکم إن کنتم صٰدقین ○ بلیٰ من أسلم وجهه لله وهو محسن فله أجره عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون** (البقرۃ:۱۱۱۔۱۱۲) اور یہود و نصاریٰ یوں کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جائے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا نصرانی ہوں، یہ خالی دل بہلانے کی باتیں ہیں، آپ کہئے کہ اچھا اپنی دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو، اور کیوں نہیں! ضرور دوسرے لوگ بھی جائیں گے، جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ کی طرف کردے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض اس کے پروردگار کے پاس ملے گا، نہ ایسے لوگوں کو قیامت میں کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ اس روز مغموم ہونے والے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف، باب أحادیث الأنبیاء۔ حدیث نمبر ۳۱۸، مسلم شریف، باب الفضائل، حدیث نمبر ۴۳۶۱، ۴۳۴۲۔

Marfat.com

إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلاخوف عليهم ولا هم يحزنون

(الاحقاف: ۱۳) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے، ان لوگوں کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

سوم: تنوع - سنت الٰہیہ:

اسلام نے تنوع کی مختلف صورتوں طرف اشارہ کیا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

الف: دین کا تنوع:

گزشتہ مباحث میں ہم نے دین کے مثبت پہلو یعنی مختلف ادیان میں قدر مشترک کی طرف اشارہ کیا ہے، البتہ ان کے درمیان جس امر میں اختلاف ہے اس کی وضاحت درج ذیل آیات میں ہے:

۱- كان الناس أمةً واحدة فبعثَ الله النبيين مبشرين و منذرين وأنزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه وما اختلف فيه إلا الذين أوتوه من بعد ما جاءتهم البينٰت بغياً بينهم فهدى الله الذين اٰمنوا لما اختلفوا فيه من الحق بإذنه، والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم

(البقرہ: ۲۱۳) لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ بشارتیں دیتے تھے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں، اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے متنازعہ امور میں فیصلہ فرمادیں اور اس کتاب میں یہ اختلاف صرف ان لوگوں نے کیا جن کو اولاً وہ کتاب ملی تھی باوجود اس کے کہ ان کے پاس دلائل واضح پہنچ چکے تھے باہمی ضد اضدی کی وجہ سے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایمان والوں کو وہ امر حق، جس میں اختلاف کرنے والے اختلاف کیا کرتے تھے، بفضلہٖ تعالیٰ بتلا

Marfat.com

دیااور اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہ راست بتلا دیتے ہیں۔

۲۔ إن الدين عند الله الإسلام وما اختلف الذين أوتوا الكتب إلا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم، ومن يكفر بايٰات الله فإن الله سريع الحساب (آل عمران:۱۹) بے شک دین خدا تعالیٰ کے یہاں صرف اسلام ہے اور اہل کتاب نے اختلاف کیا باوجود اس کے کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے سبب سے اور جو شخص اللہ کے احکام کا انکار کرے گا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کا حساب لینے والے ہیں۔

۳۔ ولو شاء الله ما اقتتل الذين من بعد هم من بعد ما جاء تهم البينٰت ولكن اختلفو ا فمنهم من اٰمن و منهم من كفر، ولو شاء الله ما اقتتلو ا ولكن الله يفعل ما يريد (البقرہ:۲۵۳) اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو امت کے جو لوگ ان کے بعد ہوئے باہم قتل وقتال نہ کرتے اس کے بعد کہ ان کے پاس امر حق کے دلائل پہنچ چکے تھے، لیکن انہوں نے دین میں اختلاف کیا، چنانچہ ان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل وقتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

۴۔ وما كان الناس إلاّ أمة واحدة فاختلفوا ولولا كلمة سبقت من ربك لقضى بينهم فيما فيه يختلفون (یونس:۱۹) اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ پر تھے پھر انہوں نے اختلاف کرلیا اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے طے ہوچکی ہے تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ دنیا ہی میں ہوچکا ہوتا۔

(۵) وأنزلنا إليك الكتاب بالحق مصدقاً لما بين يديه من الكتاب ومهيمناً

Marfat.com

علیه فاحکم بینهم بما أنزل الله، ولا تتبع أهواء هم عما جاءک من الحق لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا، ولو شاء الله لجعلکم أمة واحدة و لکن لیبلوکم فی ما آتکم، فاستبقوا الخیرات إلی الله مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم فیه تختلفون (المائدہ:۴۸) اور ہم نے ایک کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے لہٰذا آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں کا خیال نہ کیجئے، تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص راستہ چنا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تا کہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان فرمائیں، لہٰذا مفید باتوں کی طرف دوڑو، تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

۶۔ ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة أنکاثاً تتخذون أیمانکم دخلا بینکم أن تکون أمة هی أربیٰ من أمة إنما یبلوکم الله به، ولیبینن لکم یوم القیامة ما کنتم فیه تختلفون ولوشاء الله لجعلکم أمة واحدة ولکن یضل من یشاء ویهدی من یشاء و لتسئلن عما کنتم تعملون (النحل:۹۲-۹۳) اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جو اپنا سوت کاتے اور اس کے بعد پوری طرح ادھیڑ ڈالے، کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو، محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے، بس اس سے اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے ظاہر کر دے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ پر گامزن کر دیتے لیکن

Marfat.com

جس کو چاہتے ہیں بے راہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں راہ پر ڈال دیتے ہیں اور تم سے تمہارے سب اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی۔

۷۔ ولوشاء ربک لجعل الناس أمة واحدة ولایزالون مختلفین، إلا من رحم ربک ولذلک خلقهم وتمت کلمة ربک لأملأنّ جهنم من الجنة والناس أجمعین (ہود:۱۱۸-۱۱۹) اور اگر آپ کے رب کو منظور ہوتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی طریقہ پر کر دیتے اور وہ آئندہ بھی ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو، اس اختلاف کا غم نہ کیجئے کہ اس نے لوگوں کو اسی واسطہ پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوگی کہ میں جہنم کو جنات اور انسانوں دونوں سے بھر دوں گا۔

یعنی:

- لوگ پہلے ایک امت تھے بعد میں ان میں اختلاف ہوا۔
- جب ان کے پاس واضح دلائل آ گئے تب ان میں اختلاف رونما ہوا۔
- اختلاف سرکشی تھا۔
- اگر خدا چاہتے تو تمام لوگوں کو ایک قوم بنا دیتے، یا اختلاف کے بعد ان کو ایک متحد امت بنا دیتے۔
- اختلاف کو رہنے دینے میں حکمت الٰہی یہ ہے کہ لوگوں کی آزمائش ہو، ان کے مابین بھلائیوں میں مسابقت ہو۔ اللہ نے ان کو اختلاف کے لئے پیدا کیا ہے، لہٰذا اختلاف ایک سنت الٰہیہ ہے۔

(ب) نسلی تنوع:

(۱) یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثیٰ وجعلناکم شعوباً وقبائل لتعارفوا (الحجرات:۱۳)

Marfat.com

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کیا تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔

(۲) الذی خلقک فسوّاک فعدلک، فی أیّ صورة ما شاء رکبک (الانفطار:۷-۸)

جس نے تجھ کو انسان بنایا پھر تیرے اعضا کو درست کیا، پھر تجھ کو مناسب اعتدال پر بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو ترکیب دے دیا۔

(۳) وهو الذی أنشأکم من نفس واحدة فمستقر و مستودع (الانعام:۹۸)

اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم سب کو اصل میں ایک شخص سے پیدا کیا، پھر ایک جگہ زیادہ رہنے کی ہے اور ایک جگہ چند دن رہنے کی۔

(ج-د) زبان کا تنوع اور رنگ کا تنوع:

(۱) ومن آیاته خلق السماوات والأرض واختلاف ألسنتکم و ألوانکم إن فی ذلک لآیات للعٰلمین (الروم۔ ۲۲) اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے، اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(۲) ومن الناس والدّوآب والأنعام مختلف ألوانه کذٰلک، إنما یخشی الله من عباده العلماء، إن الله عزیز غفور (فاطر:۲۸) اور اسی طرح آدمیوں، جانوروں اور چوپایوں میں بھی بعض ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں، خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت کا علم رکھتے ہیں واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے۔

چہارم: تنوع کا مقصد باہم تعارف، تکامل، تعاون اور بھلائیوں میں مسابقت ہے:

تنوع اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کی نعمتوں میں

Marfat.com

سے ایک نعمت ہے۔اس کا مقصد لوگوں کے مابین تعارف ہے، تنافر نہیں، تعاون ہے تباغض نہیں، خیر میں مقابلہ آرائی ہے شر میں نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثىٰ وجعلناكم شعوباً وقبائل لتعارفوا، إن أكرمكم عند الله أتقكم (الحجرات: ۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور تم میں سب سے زیادہ معزز خدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو تم میں خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں: انسان، لوگوں کے درمیان تمیز کا محتاج ہے، یہ تمیز آنکھ سے ہوتی ہے، اللہ نے شکلوں کا اختلاف پیدا کیا، یہ تمیز سماعت سے ہوتی ہے اس لئے اللہ نے آوازوں کا اختلاف پیدا کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زبان کا اختلاف ہے جیسے عربی، فارسی، رومی وغیرہ، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔[1]

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: زبانوں اور رنگوں کے اختلاف سے ہی باہمی تعارف ہوا ہے، ورنہ اگر ایک ہی نوع ہوتی تو تجاہل و التباس پیدا ہو جاتا اور بہت سے مفادات معطل ہو جاتے[2]۔

علامہ رشید رضا مصریؒ فرماتے ہیں: تمام انسانوں کو ایک جان سے پیدا کرنے میں، خدا کی قدرت، اس کے علم و حکمت اور قدرت بہت سی نشانیاں ہیں اور اسے یاد دلا کر اس امر پر توجہ مرکوز کروانا ہے کہ اس کی نعمت کا شکریہ واجب ہے اور انسانوں کے مابین تعارف، انس اور

---

[1] تفسیر الفخرالرازی: تفسیر کبیر و مفاتیح الغیب۔ بیروت۔ لبنان، دارالفکر طبع سوم۔ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔ تیرہویں جلد۔ صفحہ نمبر ۱۱۲، ۱۱۳۔ نیز ملاحظہ ہو زمخشری: تفسیر کشاف۔ بیروت، دارالمعرفة۔ جلد ۳۔ صفحہ نمبر ۲۰۱، فضل بن حسن طبرسی۔ جوامع الکلم فی تفسیر القرآن الکریم، بیروت، لبنان، دارالأضواء طبع اول۔ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔ جلد ۲۔ صفحہ نمبر ۲۸۰۔ سید قطب۔ حوالہ بالا۔ جلد ۶۔ صفحہ نمبر ۳۳۴۸۔

[2] زمخشری: حوالہ بالا۔ جلد ۳۔ صفحہ نمبر ۲۰۱۔

Marfat.com

تعاون لازم ہے اور باہمی دشمنی وقتال کے جذبہ سے مختلف قوموں اور قبیلوں میں منقسم ہونا حرام وناجائز ہے[1]۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: تعاونوا علی البرّ والتقویٰ (المائدہ:۲) نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

المنتخب میں مذکور ہے: ہر امت کا ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف رخ کر کے وہ امت اپنی سابق شریعت کے مطابق نماز پڑھتی رہی ہے، اس میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، فضیلت تو اطاعت بجالانے اور بھلائیوں کے انجام دینے میں ہے لہٰذا اچھائیوں میں سبقت کرو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو[2]۔

امام ابوزہرہؒ فرماتے ہیں: تعارف کی وجہ سے ایک فریق دوسرے فریق کی اچھائی سے بہرہ ور ہوتا ہے اور زمین کی ساری ہی اچھائیاں اور خیر اس روئے زمین کے باشندوں یعنی انسانوں کے لئے ہیں، کوئی گروہ اپنے علاقہ کے خیر لعت و برکات کا ایسا حقدار نہیں کہ دوسرے ان سے محروم ہو جائیں، اگر روئے زمین پر طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے تو یہ پیداوار پوری انسانیت کے لئے ہے اور یہ انسانی تعارف وتعاون ہی سے ممکن ہے، علاقائی تقسیم تو صرف اس وجہ سے ہے کہ زمین کے ہر حصہ کا استعمال ہو اور استعمال کے نتیجہ میں برآمد ہونے والی پیداوار پوری انسانیت کے کام آسکے۔ اس تعارف کے تعلق سے قرآن کریم نے روئے زمین میں سفر اور جدوجہد کی ترغیب دی ہے تاکہ رزق تلاش کیا جائے اور انسانی تعارف کو فروغ دیا جائے تاکہ ہر علاقہ کے بسنے والے دوسرے علاقے کے باشندوں کی چیزوں سے انتفاع کر سکیں[3]۔ اللہ نے

---

[1] محمد رشید رضا: التفسیر المنار۔ بیروت۔ لبنان، دار المعرفة للطباعة و النشر۔ جلد ۷۔ صفحہ نمبر ۶۳۹۔

[2] المنتخب فی تفسیر القرآن الکریم۔ القاهرة، مصر، وزارة الأوقاف۔ المجلس الأعلی للشئون الإسلامیة. لجنة القرآن و السنة۔ سولہواں ایڈیشن ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔ صفحہ نمبر ۳۳۔

[3] محمد ابوزہرة: العلاقات الدولیة فی الإسلام۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۱۔

Marfat.com

سچ فرمایا ہے:

هو الذی خلق لکم مافی الأرض جمیعاً (البقرۃ:۲۹) اسی ایک اللہ نے تمہارے نفع کے لئے زمین کی ساری چیزوں کو پیدا فرمایا۔

(ب) تنوع کا یہی مقصد ہے، اس کا مقصد ایک انسانی گروہ کا دوسرے انسانی گروپ پر بڑائی جتانا، اسے حقیر سمجھنا، اسے ناپسند کرنا، اس کا استحصال کرنا، اس سے دشمنی رکھنا، اس کی ہلاکت کی کوشش کرنا اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا نہیں ہے:

تاریخ کے آغاز سے ہی، جب سے ابلیس نے اپنے پروردگار کے حکم کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرایا: أناخیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (الاعراف:۱۲) (میں آدم سے بہتر ہوں کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انہیں مٹی سے بنایا)، اس قسم کے بہت سے واقعات اس دنیا میں رونما ہو چکے ہیں۔ آپ یہودیوں کو دیکھیں، اس کے بعد رومیوں اور یونانیوں پر نظر ڈالیں، اور سب سے اخیر میں موجودہ دور میں مختلف اقسام کی نسل پرستی ملاحظہ فرمائیں، سفید فام، سامی، نازی، صیہونیت، امریکی تعلّی جیسی چیزیں تاہنوز معاشرہ کے لئے ناسور بنی ہوئی ہیں۔

پنجم: ہر طرح کی تفریق کا خاتمہ:

قدیم وجدید جاہلیت کے سامنے اسلام نے ہر طرح کی تفریق وعصبیت کو مسترد کیا ہے۔

(الف) نسلی تفریق:

حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول پاک ﷺ نے اعلان فرمایا، اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، کسی عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں، کسی کالے کو گورے پر، کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل نہیں، ہاں فوقیت اور برتری محض تقویٰ کی بنیاد پر

Marfat.com

حاصل ہوسکتی ہے[1]۔

(۲) حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عصبیت کی طرف بلائے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر لڑے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت پر انتقال کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ [2]

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بلا وجہ عصبیت کی طرف بلائے، یا عصبیت کی بنا پر غصہ ہو کر جنگ کرے اور مارا جائے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اس کا قتال جاہلیت پر مبنی ہے۔ [3]

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو طاعت سے نکل جائے اور جماعت سے علیٰحدہ ہو جائے، وہ اگر مرے تو جاہلیت کی موت مرے گا اور جو میری امت کے خلاف بغاوت کرے، اس کے اچھوں اور بروں کو قتل کرے، مومن کے سلسلہ میں بھی انجام کی پروا نہ کرے، اور عہد والے کا پاس ولحاظ نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت کی دعوت دیتے ہوئے یا عصبیت کی بنا پر غصہ ہوتے ہوئے اندھے پن کے ساتھ لڑے پھر قتل کر دیا جائے، تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے [4]۔

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کچھ لوگ اپنے آباء واجداد پر فخر کی دعوت دیں گے، وہ لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے، یا وہ خدا کے نزدیک اس کیڑے سے زیادہ حقیر ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی ڈھکیلتا ہے اور فرمایا:

---

[1] مسند احمد۔ اس حدیث کے رواۃ، صحیح حدیث کے رواۃ ہیں۔ مجمع الزوائد۔ ج ۳۔ صفحہ نمبر ۲۶۶۔

[2] سنن ابوداؤد: کتاب الأدب، باب العصبية۔ حدیث۔ ۴۴۵۶۔

[3] صحیح مسلم: ''کتاب الإمارة'' حدیث۔ ۳۴۴۷، نسائی شریف: کتاب تحریم الدم: حدیث۔ ۴۰۴۵۔ سنن ابن ماجہ: کتاب الیقین۔ باب العصبية حدیث ۳۹۴۸۔

[4] مسلم: کتاب الإمارة، حدیث ۳۴۳۶۔ ۳۴۳۷، مسند احمد: ۷۶۰۳، ۷۷۱۶۔ ۲۹۴۱، سنن نسائی: کتاب تحریم الدم ۴۰۴۵، ابن ماجہ: کتاب الفتن ۳۹۴۸۔

Marfat.com

اللہ تعالی نے تم لوگوں سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد پر فخر کو دور کر دیا ہے، ایک شخص یا تو پرہیز گار مومن ہوگا یا پھر بد بخت فاجر، سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے بنے ہیں[1]۔

(۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کو مارا، انصاری نے آواز لگائی، انصاریو! میری مدد کرو، مہاجر نے بھی آواز لگائی، مہاجرو! میری مدد کرو، رسول پاک ﷺ تک جب یہ آواز پہنچی تو فرمایا، کیا بات ہے؟ کسی نے بتایا کہ ایک مہاجر نے انصاری کو مارا تو انصاری نے انصاریوں کو مدد کے لئے آواز دی، اور مہاجر نے مہاجروں کو مدد کے لئے پکارا، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان سب باتوں کو ختم کر دو، یہ بڑی گندی ہیں[2]۔

(۷) حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور پاک ﷺ کی مجلس میں ایک شخص سے میرا جھگڑا ہوگیا، میں نے اس سے کہہ دیا: اے کالی عورت کے بچے! حضور پاک ﷺ نے سنا تو فرمایا! ناپ میں برابری کرو، ناپ میں برابری کرو، کسی گوری عورت کی اولاد کو کسی کالی عورت کی اولاد پر فوقیت حاصل نہیں، حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں چت لیٹ گیا اور اس شخص سے کہا: کھڑے ہو اور میرے رخسار کو اپنے قدموں سے روندو[3]۔

(۸) عباد بن کثیر فلسطینی شامی سے منقول ہے، وہ ایک فلسطینی عورت سے روایت کرتے ہیں،

---

[1] مسند احمد: ۲۳۵۳۶، ترمذی: کتاب المناقب۔ ۳۸۹۰، ۳۸۹۱، ابوداؤد: کتاب الادب، ۴۵۲۔

[2] متفق علیہ۔ بخاری: کتاب تفسیر القرآن۔ ۴۵۲۷، مسلم: کتاب البر والصلة و الآداب۔ ۴۶۸۱، ۴۶۸۲، ۴۶۸۳۔

[3] عراقی فرماتے ہیں: یہ حدیث ابن المبارک نے کتاب البر والصلۃ میں نقل کی ہے، علامہ زبیدی کی ''اِتحاف السادۃ المتقین'' میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں: ج۸۔ صفحہ نمبر ۳۷۵۔

Marfat.com

جن کا نام فسیلہ بنت واثلہ بن الاسقع ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا، انہوں نے رسول پاک ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا یہ عصبیت ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم سے محبت کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، البتہ عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرے[1]۔

(ب) لسانی تفریق:

یہ نسلی تفریق سے مربوط ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ عرب حسب ونسب پر سب سے زیادہ فخر کرنے والے تھے، لیکن اسلام نے عربیت کو ایک ثقافتی عنصر باور کرا کے خود عربوں کے اندر سے اس عنصر کا خاتمہ کر دیا، کیونکہ وہ لوگ پوری دنیا میں نئے دین کے مبلغ وداعی تھے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ''عربیت'' کی ایک نئی تعریف بیان فرمائی ''**إنما العربية باللسان فمن تكلم العربية فهو عربى**'' ''عربیت'' کا تعلق تو زبان ہے، جو عربی زبان بولے وہ عربی ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے غیر عرب مسلمان عربی زبان سیکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں کیوں کہ اولاً تو یہ قرآن اور عبادت کی زبان ہے اور دوسرے اس کے بعد انہیں بھی عرب سمجھا جائے گا، بلکہ ان میں بہت سے لوگ دین وزبان کی خدمت کے لئے نہایت سرگرم نظر آتے ہیں جیسے سیبویہ، امام بخاری، امام مسلم اور دسیوں نامور علماء، یہ سب دیکھنے کے بعد ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے، معاشرہ سے لسانی تفریق بلکہ نسلی تفریق کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کس قدر کامیابی حاصل کی ہے۔

(ج) مذہب کے سبب تفریق:

اس اندیشہ سے کہ کہیں عددی اکثریت، عددی اقلیت پر غالب آ کر اسے ظلم وجور کا نشانہ نہ بنالے، اسلام نے مذہبی اقلیت کی حمایت کی ہے اور اسے اوپر اٹھا کر اکثریت کی سطح پر لا کھڑا

---

[1] مسند احمد: ۱۶۸۲۷، ۱۶۳۷۵، ابوداؤد: باب الأدب۔ ۴۴۵۴، ابن ماجہ: کتاب الفتن۔ ۳۹۳۹۔

Marfat.com

کیا ہے۔ اس طرح مذہبی اقلیت اور اکثریت دونوں عقد ذمہ میں مساوی حیثیت کے مالک ہو گئے ہیں، مزید یہ کہ اس عقد کو تقدس کا درجہ دیتے ہوئے صرف مسلمانوں کا ذمہ باقی نہیں رکھا بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ قرار دے دیا اور اکثریت کو بار بار تاکیدی حکم دیا گیا کہ وہ مذہبی اقلیت یعنی ''اہل ذمہ'' کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

(۱) ام المومنین حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مصر کے قبطیوں کے متعلق اللہ سے ڈرو، عنقریب تم ان پر غالب آؤ گے اور وہ تمہارے لئے خدا کی راہ میں معین و مددگار ہوں گے۔[1]

(۲) ابوعبدالرحمٰن حبلی، یعنی عبداللہ بن یزید، اور عمرو بن حریث سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا:... میں تمہیں اہل ذمہ سے متعلق بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، وہ مشیت خداوندی سے تمہارے لئے قوت اور دشمن تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ اہل ذمہ سے حضور پاک ﷺ کی مراد مصر کے قبطی تھے۔[2]

(۳) حضرت ابوذرؓ سے منقول ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: تم عنقریب ایک علاقہ فتح کرو گے جہاں قیراط کا ذکر ہوتا ہے، وہاں کے باشندوں کے متعلق میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، ان کے لئے ''ذمہ'' اور قرابت ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ عنقریب تم مصر فتح کرو گے، یہ ایسی سرزمین ہے جہاں قیراط کا نام لیا جاتا ہے، جب تم اسے فتح کرلو تو وہاں رہنے والوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اس لئے کہ ان کے لئے

---

[1] یہ حدیث علامہ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' میں نقل کی ہے (حوالہ بالا۔ ج ۱۰۔ صفحہ نمبر ۶۲) وہ کہتے ہیں: اس حدیث کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے روات، صحیح حدیث کے روات ہیں۔

[2] یہ حدیث ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اور یہ ''الموارد'' میں بھی مذکور ہے: ۲۳۱۵، اور علامہ ہیثمی (ج ۱۰، صفحہ نمبر ۶۴) فرماتے ہیں کہ ابویعلی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے روات صحیح حدیث کے روات ہیں۔

Marfat.com

''ذمہ'' اور قرابت ہے، یا فرمایا: ان کے لئے ''ذمہ'' اور سسرالی قرابت ہے[1]۔

(۴) کعب بن مالک انصاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول پاک ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم مصر فتح کرلو تو وہاں کے قبطیوں سے متعلق میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں کیوں کہ ان کے لئے ذمہ اور قرابت ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان کے لئے ذمہ ہے اور قرابت، یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ قبطی خاندان سے تھیں[2]۔

(د) اسلام نے عصبیت اور تفریق کو مسترد کیا ہے:

چونکہ تنوع کے پس پردہ اسلام کا مقصد لوگوں کو خیر کے کاموں میں مقابلہ آرائی پر ابھارنا ہے، لہٰذا قرآن کریم نے امتیاز و برتری کا معیار تقویٰ کو قرار دیا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

(۱) إن أكرمكم عند الله أتقكم (الحجرات: ۱۳) تم میں خدا کے یہاں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔

(۲) لكل جعلنا منكم شرعة و منها جا ولو شاء الله لجعلكم أمة واحدة ولكن ليبلوكم فى ما اٰتكم فاستبقوا الخيرات (المائدہ: ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقت تجویز کی ہے، اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے ایسا اس لیے نہیں کیا تا کہ وہ تمہیں اپنی دی ہوئی چیزوں میں

---

[1] یہ حدیث دونوں روایتوں کے ساتھ مسلم شریف میں ہے: ۲۵۴۳، باب وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باہل مصر، اور مسند احمد میں بھی مذکور ہے: ج ۵۔ صفحہ نمبر ۱۷۴۔

[2] ہیثمی: ج ۱۰، صفحہ نمبر ۶۲، وہ فرماتے ہیں: طبرانی نے اسے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، ان میں سے ایک سند کے روات صحیح کے روات ہیں، نیز اس حدیث کو حاکم نے بھی دوسری روایت سے نقل کیا ہے اور صحیحین کی شرط کے موافق قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے (ج ۳، صفحہ نمبر ۵۳۷)، امام زہریؒ کے نزدیک ''رحم'' (قرابت) سے مراد حضرت اسماعیل کی والدہ کا ان کے خاندان سے انتساب ہے، منقول از ڈاکٹر یوسف قرضاوی: ''غیر المسلمین فی المجتمع الإسلامی''، قاہرہ۔ مکتبہ وہبہ طبع سوم ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء، صفحہ نمبر ۲۶، ۲۷۔

Marfat.com

آزمائے، لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔

(۳) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں، کسی کالے کو کسی گورے پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری نہیں، فضیلت اور برتری ہے تو صرف تقویٰ سے[1]۔

ششم: وطنیت:

''وطنیت''[2] ایک پرانا مفہوم ہے جس سے مراد کسی وجود سے کسی فرد کی سیاسی دوستی یا سیاسی انتساب ہے، یہ انتساب، قومی اور مذہبی انتساب سے الگ شئی ہے۔ یہ مختلف نوع کے انتسابات ایک دوسرے کے مطابق نہیں، لیکن کہیں نہ کہیں ایک دوسرے سے ملتے ہیں لہٰذا ان کے مابین کچھ چیزیں تو عام ہیں اور کچھ ان کی الگ الگ خصوصیات ہیں۔

(الف) اسلام نے اس مفہوم پر زور دیا ہے:

شروع شروع میں ہجرت سے قبل جب حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، اور حضرت سلمان فارسیؓ اسلام میں داخل ہوئے، ساتھ ہی مختلف عرب قبائل نے بھی اسلام قبول کیا، تو یہ سب لوگ نسلی اصول یعنی قومی انتسابات میں مختلف ہونے کے باوجود ''امت اسلامیہ'' کا حصہ بنے، اس سے معلوم ہوا کہ مذہبی انتساب ہی اصل ہے، اور یہ نسلی انتساب سے مختلف شئی ہے۔

---

[1] اس کی تخریج امام احمد نے کی ہے، اور اس کے روات صحیح کے روات ہیں، یہ حدیث ''مجمع الزوائد'' میں بھی ہے: حوالہ بالا۔ ج ۳۔ صفحہ نمبر ۲۶۶۔

[2] ''وطنیت'' ایک انتہائی درجہ کا مفہوم رکھتی ہے جس سے مراد زمین کی وطنیت یا نسلی قومیت یا دینوی سیکولر مفہوم والی وطنیت ہے، اس مفہوم کے لیے ملاحظہ ہو: راشد غنوشی۔ حقوق المواطنۃ۔ حقوق غیر المسلم فی المجتمع الإسلامی۔ المعہد العالمی للفکر الإسلامی، طبع دوم ۱۹۹۳ء۔ صفحہ نمبر ۱۰۔

Marfat.com

(۲) ہجرت کے بعد جب ''دستاویز مدینہ'' میں سیاسی انتساب کا ذکر آیا تو نسلی انتساب اور مذہبی انتساب، سیاسی انتساب سے پوری طرح علیٰحدہ ہو گئے۔ دستاویز مدینہ میں مہاجر و انصار مسلمان، یہود مدینہ کے ساتھ ایک سیاسی دوستی میں شریک تھے، اس دستاویز میں احکام بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے تھے، اس میں وضاحت تھی کہ قریش یعنی مہاجرین اور یثرب یعنی انصار میں سے جو لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اسی طرح جو لوگ ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کے ساتھ جڑ جائیں اور ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد کریں وہ سب ایک امت ہیں، دوسرے تمام لوگ ان سے الگ ہیں۔ یہ تو امت عقیدہ کی بات ہوئی، کہ یہ سب لوگ ایک عقیدہ میں شریک ہوئے۔ اس دستاویز مدینہ میں ''امت سیاست'' کا بھی ذکر ہے، یعنی یہودِ بنی عوف، مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہیں پس یہودیوں کے لئے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین..، یہودیوں پر ان کے اخراجات ہیں اور مسلمانوں پر ان کے اخراجات اور ان دونوں کے مابین طے ہے کہ جو کوئی ان میں کسی سے جنگ کرے دوسرا فریق ان کا معین و مددگار ہوگا۔

(۳) اس کے بعد قرآن کریم نے اس سیاسی انتساب اور مذہبی انتساب کے درمیان عدم مطابقت کو بیان کیا ہے، ارشاد خداوندی ہے: **إن الذين ٰامنوا وهاجروا وجاهدوا بأموالهم وأنفسهم فى سبيل الله والذين ٰاووا ونصروا، أولٰئک بعضهم أولياء بعض والذين ٰامنوا ولم يهاجروا مالكم من ولايتهم من شىء حتى يهاجروا وإن استنصروكم فى الدين فعليكم النصر إلا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بما تعملون بصير** (الانفال:۷۲) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے پناہ فراہم کی اور مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور جو

Marfat.com

لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے ولایت کا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کی راہ میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ مدد کرنا واجب ہے، البتہ اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جس سے تمہارا باہمی معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتا ہے۔

(۴) یعنی ذمی لوگ (فقہاء کی زبان میں) دارالاسلام کے باشندے ہیں[1]۔

(۵) یہ تینوں دائرے یعنی سیاسی، قومی اور مذہبی آج تک مسلسل حرکت میں ہیں، کبھی کوئی دائرہ تنگ ہوتا ہے تو کبھی کشادہ، کبھی ایک دائرہ دوسرے سے مل جاتا ہے یا اسے ہضم کر جاتا ہے لیکن ان سب کے باوجود سبھی ایک۔ دوسرے سے ہمیشہ ممتاز وجدار رہتے ہیں۔

(۶) اس ملنے اور جدا ہونے کے نتیجے میں سیاسی انتساب (وطنیت) مختلف جنسوں اور قسموں کو شامل ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں مختلف نسلی اور لسانی اقلیتیں وجود میں آتی ہیں اور ساتھ ہی یہ انتساب مختلف مذاہب کو شامل ہوتا ہے جس سے مختلف مذہبی اقلیات منصۂ شہود پر آتی ہیں اور سیاسی رشتہ یعنی وطنیت علی حالہ باقی رہتا ہے۔

(۷) مشیر طارق بشریٰ نے کوشش کی ہے کہ وطنیت کی بنیاد، سامراج سے ملک کو آزادی دلانے، اسے قوت بخشنے اور اس کی شیرازہ بندی کرنے میں شرکت پر رکھی جائے، اور مسلم غیر مسلم کے تعلقات کو ضابطہ کے دائرہ میں لانے کے لئے، اخوت وموالات کے اصول کو بنیاد بنا کر فقہی معیارات کا استخراج کیا جائے[2]۔

---

[1] البدائع للكاساني: ج ۵، صفحہ نمبر ۲۸۱، فتح القدير: ج ۴، صفحہ نمبر ۳۶۹۔۳۷۵، المغني لإبن قدامة: ج ۵، ص ۵۱۶، شرح منتهى الإرادات: ج ۲، ۴۲۹، المبسوط: ج ۱۰، صفحہ نمبر ۸۱، شرح العناية على الهداية: ج ۴، صفحہ نمبر ۳۷۰۔ (منقول از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان: أحكام الذميين والمستأمنين في دار الإسلام۔ بیروت، لبنان مؤسسة الرسالة ۱۹۸۲ء، صفحہ نمبر ۶۳، حاشیہ ۲۔

[2] طارق بشریٰ: حول أوضاع المشاركة في شئون الولايات العامة لغير المسلمين في المجتمعات الإسلامية المعاصرة۔ مجلة المسلم المعاصر شمارہ ۶۹/۷۰، اگست، جنوری ۱۹۹۴ء، صفحہ نمبر ۲۱۳-۲۱۶۔

Marfat.com

لیکن ہم اس بنیاد کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کیوں کہ وطنیت کا مفہوم دستاویز مدینہ اور سورہ انفال کی آیت سے پختہ ہو چکا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، لہٰذا از سرنو ''بنیاد'' تشکیل دینے کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں اسے پہلی بنیاد کے لئے اضافی تاکید قرار دیا جا سکتا ہے۔

(ب) اہل کتاب اسلامی مملکت کے باشندے ہیں:

اہل کتاب اسلامی مملکت کی سیاسی موالات کے دائرے میں شامل ہیں۔

اب موالات کی ایک دوسری نوع کا ذکر باقی رہ گیا ہے یعنی معاشرتی موالات، جو درحقیقت معاشرتی سلامتی کا سبب ہے۔ سیاسی موالات اگر قانونی حقوق وواجبات عائد کرنے کا سبب ہے تو معاشرتی موالات کے ذریعہ دوطرفہ شعوری حقوق وواجبات مرتب ہوتے ہیں، جیسے غیر مسلموں کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ابھرنے والے دشمنی کے جذبات کو کچل دیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو بدلہ میں وہ مسلمانوں کی محبت والفت کے مستحق ہوں گے، بلکہ مزید مسلمان ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کریں گے جس کے وہ من جانب اللہ مامور ہیں خواہ دشمنوں کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، ارشاد ربانی ہے: **ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوی** (المائدہ:۸) (کسی قوم کی دشمنی، تمہیں ان کے ساتھ نافرمانی پر نہ ابھارے، عدل سے کام لو، یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے)۔

اس شعوری رشتہ کے نقوش اجاگر کرنے کے لئے ہم قرآن کریم کی ان آیات کا جائزہ پیش کرتے ہیں جن میں سلبی اور منفی احساسات کا بیان ہے جنہیں ختم کرنا غیر مسلموں کی ذمہ داری ہے اور جن میں مسلمانوں کے شعوری موقف کو غیر مسلموں کی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے مربوط کیا گیا ہے۔

ان آیات قرآنیہ میں غور کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ:

(۱) بعض آیات میں مطلقاً غیر مسلموں کی موالات سے منع کیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ

Marfat.com

غیر مسلموں کی اصلی دوستی باہم ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے پکے دوست ہیں، جیسا کہ درج ذیل آیات میں اس کی صراحت ہے:

لایتخذ المؤمنون الکافرین أولیاء من دون المؤمین و من یفعل ذٰلک فلیس من اللہ فی شیء إلا أن تتقوا منھم تقٰۃ، و یحذرکم اللہ نفسہ وإلی اللہ المصیر (آل عمران:۲۸) مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو مسلمانوں کے مقابلہ میں دوست نہ بنائیں، اور جو شخص ایسا کام کرے گا اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں، مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا اندیشہ رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یا أیھا الذین اٰمنوا لا تتولوا قوماً غضب اللہ علیھم قد یئسوا من الآخرۃ کما یئس الکفار من أصحاب القبور (الممتحنۃ:۱۳) اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب نازل فرمایا ہے کہ وہ آخرت کے خیر وثواب سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کفار جو قبروں میں مدفون ہیں۔

بشّر المنافقین بأن لھم عذاباً ألیماً، الذین یتخذون الکافرین أولیاء من دون المؤمنین ، أیبتغون عندھم العزۃ فإن العزۃ للہ جمیعاً ○ یا أیھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا الکافرین أولیاء من دون المؤمین، أتریدون أن تجعلوا للہ علیکم سلطاناً مبیناً (النساء:۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۴) منافقین کو خوش خبری سنا دیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے، ان کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت کے خواہاں ہیں، تو جان لیں کہ اعزاز تو سارا خدا کے قبضہ میں ہے۔ اے ایمان والو! تم مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صریح حجت قائم کرلو۔

Marfat.com

والذين كفروا بعضهم أولياء بعض، إلا تفعلوه تكن فتنة فی الأرض وفساد كبير (الانفعال:۷۳) اور جولوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر اس حکم مذکور پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔

(۲) کچھ دوسری آیات میں صرف غیر مسلموں کے منفی رویہ کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے، اس رویہ کے سبب ان کی موالات سے منع نہیں کیا گیا، جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے:

ودَ كثير من أهل الكتاب لو يردونكم من بعد إيمانكم كفاراً حسداً من عند أنفسهم من بعد ماتبين لهم الحق فاعفوا واصفحوا حتى يأتى الله بأمره، إن الله على كل شى قدير (البقرہ:۱۰۹) بہتیرے اہل کتاب دل سے چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر کافر کر ڈالیں، محض اپنے حسد کی وجہ سے، اس کے باوجود کہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے، تو تم معاف کرو اور درگزر کرو جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق اپنا حکم نہ بھیج دیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ولن ترضىٰ عنك اليهود ولا النصارىٰ حتى تتبع ملتهم ، قل إن هدى الله هو الهدى ولئن اتبعت أهواء هم بعد الذى جآئك من العلم مالك من الله من ولى ولا نصير (البقرۃ:۱۲۰) اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک آپ ان کے مذہب پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو جائیں، آپ صاف کہہ دیجئے حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے، اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں، باوجود اس کے کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے، تو آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے گا نہ مددگار۔

ما يودالذين كفروا من أهل الكتاب ولا المشركين أن ينزل عليكم من خير من ربكم والله يختص برحمته من يشاء والله ذو الفضل العظيم (البقرہ:۱۰۵) ذرا بھی پسند نہیں کرتے کفار اہل کتاب اور نہ مشرکین اس بات کو تم کو کسی طرح کی بہتری بھی

Marfat.com

نصیب ہو تمہارے پروردگار کی طرف سے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت وعنایت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

وہ اسباب جن کا ذکر درج بالا آیات میں ہے یہ ہیں:

- غیر مسلم، مسلمانوں سے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک وہ ان کی ''ملت'' کی پیروی نہ کر لیں اور اسلام کو خیر آباد نہ کہہ دیں، اس کا مشاہدہ آج ہم رات دن کر رہے ہیں، عیسائی مشنریاں ہر وقت سرگرم ہیں، فکری، مواصلاتی اور معاشرتی یلغار پوری طرح مسلمانوں پر جاری ہے۔
- غیر مسلم، مسلمانوں کا بھلا نہیں چاہتے اور نہ ہی ان سے محبت کرتے ہیں اگرچہ مسلمان ان سے محبت کریں۔ اقتصادی، سیاسی اور عسکری معاملات میں موجودہ بین الاقوامی رویہ اس پر شاہد ہے، یہ لوگ شدید خواہش مند ہیں کہ مسلمانوں میں بگاڑ پھیل جائے، انہیں بھاری نقصان ہو اور ان کے درمیان ایک دوسرے سے بغض وعداوت پیدا ہو جائے۔
- غیر مسلم اگر قادر ہوں اور ان کی مصلحت متقاضی ہو تو وہ عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ جدید وقدیم تاریخ اس کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

(۳) کچھ آیات میں ان کے منفی رویہ کی وضاحت کے ساتھ ان سے دوستانہ تعلقات سے منع بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے:

يا أيها الذين آمنوا إن تطيعوا الذين كفروا يردّوكم على أعقابكم فتنقلبوا خاسرين ٥ بل الله مولكم وهو خير الناصرين (آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰) اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو الٹا پھیر دیں گے، پھر تم ناکام ہو جاؤ گے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

كيف يكون للمشركين عهد عند الله و عند رسوله إلا الذين عٰهدتم عند

Marfat.com

المسجد الحرام، فما استقاموا لكم فاستقيموالهم، إن الله يحب المتقين٥ كيف وإن يظهرواعليكم لا يرقبوا فيكم إلا ولاذمة يرضونكم بأفواههم وتأبىٰ قلوبهم و أكثرهم فاسقون٥ اشتروا بآيات الله ثمناً قليلاً فصدوا عن سبيله، إنهم سآء ماكانوا يعملون ٥ لايرقبون فى مؤمن إلا ولا ذمة و أولئک هم المعتدون (التوبۃ:۷ تا ۱۰) ان مشرکین قریش کا عہد اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے قابل رعایت رہے گا، البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد لیا ہے تو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ عہد کا پاس رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ کیسے ان کا عہد قابل رعایت رہے گا جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس رکھیں اور نہ قول وقرار کا، یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے اور ان میں زیادہ تر شریر ہیں، انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض دنیا کی متاع ناپائیدار کو ترجیح دی اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا اور یقیناً ان کا یہ عمل بہت برا ہے، یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں نہ قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ قول وقرار کا اور یہ لوگ بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں۔

يا أيها الذين آمنوا لاتتخذوا عدوى و عدوكم أولياء تلقون إليهم بالمودة وقد كفروا بما جاء كم من الحق يخرجون الرسول وإياكم أن تومنوا بالله ربكم...٥ تسرون إليهم بالمودة و أنا أعلم بما أخفيتم وما أعلنتم و من يفعله منكم فقد ضل سواء السبيل ٥ إن يثقفوكم يكونوا لكم أعداءً ويبسطوا إليكم أيديهم وألسنتهم بالسوء وودوا لو تكفرون (الممتحنۃ:۱،۲) اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں، رسول کو اور تم کو محض اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ

Marfat.com

پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں۔ تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو، حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے، تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، اور جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جائے تو فوراً اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر ہی ہو جاؤ۔

لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادّون من حادّ الله ورسوله ولو كانوا آبائهم أو أبنائهم أو إخوانهم أو عشيرتهم، أولئك كتب فى قلوبهم الإيمان ... آپ نہیں پائیں گے ایسے لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں، ہر چند کہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی یا اہل خاندان ہوں، وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان گھر کر چکا ہے۔

يا أيها الذين آمنوا لاتتخذوا بطانة من دونكم لايألونكم خبالا ودوا ماعنتّم قدبدت البغضآء من أفواههم وما تخفى صدورهم أكبر قد بيّنّا لكم الآيات إن كنتم تعقلون ○ هاأنتم أولاء تحبونهم ولايحبونكم وتؤمنون بالكتٰب كله وإذا لقوكم قالوا امنا وإذا خلوا عضوا عليكم الأنامل من الغيظ، قل موتوا بغيظكم إن الله عليم بذات الصدور ○ إن تمسسكم حسنة تسؤهم، وإن تصبكم سيئة يفرحوا بها وإن تصبروا و تتقوا لايضركم كيدهم شيئا ان الله بما يعملون محيط (آل عمران ۱۱۸-۱۲۰) اے ایمان والو! اپنے لوگوں کے سوا کسی کو قریبی مت بناؤ، وہ لوگ تمہارے فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، تمہاری مضرت کی تمنا کرتے ہیں، واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر بغض و نفرت ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہے، ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت

Marfat.com

رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور یہ لوگ جو تم سے ملتے ہیں، کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تم غصہ سے مرجاؤ، بے شک خدا تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے ہیں، اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو انہیں گراں گزرتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اگر تم ثابت قدم رہو اور تقوی کی روش اختیار کرو تو ان لوگوں کی تدبیریں تمہیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی خبر رکھتے ہیں۔

يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فإنه منهم إن الله لايهدى القوم الظالمين...o إنما وليكم الله و رسوله والذين آمنوا..o ومن يتول الله و رسوله والذين آمنوا فإن حزب الله هم الغالبونo يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الذين اتخذوا دينكم هزوا ولعبا من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم والكفار أولياء واتقوا الله إن كنتم مؤمنينo وإذا ناديتم إلىٰ الصلاة اتخذوها هزوا ولعبا ذٰلک بأنهم قوم لايعقلون (المائدہ: ۵۱، ۵۵، ۵۶-۵۸) اے ایمان والو! تم یہود اور نصاری کو دوست مت بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتے....تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایمان دار لوگ ہیں....اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے، اس کے رسول سے اور ایمان دار لوگوں سے دوستی رکھے گا، تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا گروہ بے شک غالب ہے۔ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان دار ہو، اور جب تم نماز کے لئے

Marfat.com

بلاتے ہوتو وہ لوگ اس کا ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ بالکل عقل نہیں رکھتے۔

(۴) کچھ دوسری آیات میں مفہوم مخالف سے استدلال کیا جاسکتا ہے، یعنی اگر موالات کی ممانعت کے اسباب نہ رہیں تو موالات کی ممانعت کا حکم بھی باقی نہ رہے گا، لہٰذا اس وقت ان کے ساتھ تعاون میں بھی کوئی حرج نہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کی عملی مثالیں اس بارے میں واضح دلیل ہیں[1]۔ یہ مفہوم درج ذیل آیات میں پایا جاتا ہے:

ترى كثيراً منهم يتولون الذين كفروا، لبئس ماقدمت لهم أنفسهم أن سخط الله عليهم و فى العذاب هم خالدونo ولو كانوا يؤ منون بالله والنبى وما أنزل إليه ما اتخذوهم أولياء ولكن كثيراً منهم فاسقونo لتجدن أشدالناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين أشركوا ، ولتجدن أقربهم مودة للذين آمنوا الذين قالوا إنا نصارىٰ، ذٰلك بأن منهم قسّيسين ورهبانا و أنهم لا يستكبرونo وإذا سمعوا ما أنزل إلىٰ الرسول ترىٰ أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق...(المائدۃ:۸۰-۸۳) آپ ان میں بہتوں کو دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، جو کام انہوں نے آگے کے لئے کیا ہے وہ بے شک برا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر، پیغمبر پر اور اس کتاب پر ایمان رکھتے جو ان کے پاس بھیجی گئی تو ان مشرکین کو کبھی دوست نہ بناتے، لیکن ان میں بیشتر ایمان سے خارج ہی ہیں، تمام لوگوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان میں مسلمانوں سے قریب تر ان لوگوں کو پائیے گا جو اپنے کو نصاری

---

[1] تفسیر المنار: ج ۴، صفحہ نمبر ۸۲، ۸۳، عبدالوہاب خلاف: السیاسة الشرعیة فی الشئون الدستوریة والخارجیة والمالیة۔ الکویت، دارالقلم ۱۹۸۸ء، صفحہ نمبر ۸۶، ۸۷۔

Marfat.com

کہتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش، اور یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ متکبر نہیں ہیں، جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں کیونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

عسى الله أن يجعل بينكم و بين الذين عاديتم منهم مودة، والله قدير والله غفور رحيمo لاينها كم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطينo إنما ينها كم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين وأخرجوكم من دياركم وظاهروا على إخراجكم أن تولوهم و من يتولهم فأولئک هم الظالمون (الممتحنۃ:۷-۹) ممکن ہے کہ اللہ تم میں اور ان میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی پیدا کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے اور بہت بخشنے والے ہیں۔ اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں، تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو اور جو کوئی ایسوں سے دوستی کرے گا وہ گنہگار ہوں گا۔

(ج) غیر ملکیوں کے حالات پر بحث، قدرتی طور پر ''وطنیت'' پر بحث کے ذیل میں آتی ہے:

قدیم اسلامی لٹریچر میں تقریباً ہمیشہ ہی ذمیوں پر بحث، مستأمنین پر بحث کے ساتھ آتی رہی ہے، اور حالیہ عالمی رجحان، کہ نصرت و تحفظ کے استحقاق میں، غیر ملکیوں سمیت بعض

Marfat.com

اعتوں کو اقلیات کے زمرے میں شامل کر دیا جائے، شاید ہمارے اسی قدیم اسلامی ورثہ کے
زعمل کی تفسیر ہے۔

مستأمن سے مراد وہ شخص ہے جو ''عقد امان'' کے بعد یا محض ''اقامۃ'' لے کر متعین مدت
کے لئے اسلامی مملکت میں آئے اور مستقل قیام کی نیت نہ رکھتا ہو۔ یہ تجارت و سیاحت کے مقصد
سے بھی ہوسکتا ہے یا صرف زیارت کے لئے بھی، مستأمن کی یہ مدتِ قیام، قابل تجدید ہوتی
ہے، اگر یہی قیام دراز ہو کر دائمی شکل اختیار کر لے تو اس کو ''ذمی'' کہتے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

ساتویں بحث

شرعی قانون

(دوسرے کے ساتھ تعلق کی جہت سے)

Marfat.com

Marfat.com

شرعی قانون

(دوسروں کے ساتھ تعلق کی جہت سے)

اسلام نے صرف نظریاتی پہلو پر اکتفا نہیں کیا ہے، جس کی وضاحت گزشتہ سطور میں مختلف ضوابط کے ذریعہ کی گئی، بلکہ اس کے ساتھ عملی مظاہرہ بھی پیش کیا کہ دوسروں کے ساتھ معاملات کی صورت میں، ان کے تئیں اسلام کا کیا نظریہ اور رویہ ہے؟

اول: اکثریت کے تقاضے اور اقلیت کی خصوصیات:

(الف) اکثریت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضہ جو جمہوریت کا ایک فطری اصول ہے، یہ ہے کہ پورے ملک کا نظام زندگی اکثریت کے ہاتھوں میں ہو۔

(ب) لیکن ساتھ ہی اکثریت کا یہ تقاضہ کسی طور درست نہیں کہ وہ اقلیت کے حقوق میں کمی کرے یا اقلیت کی خصوصیات کے تحفظ میں آڑے آئے، ورنہ اقلیت، اکثریت میں گھل کر ختم ہو جائے گی اور اس کا تشخص ناپید ہو جائے گا، حالیہ دور میں ہم مغرب میں یہی دیکھ رہے ہیں کہ وہ اقلیتوں کو ضم کرنے کے لئے بے چین ہے، لیکن اسلام ہمیشہ سے اقلیت کی خصوصیات کے تحفظ کا خواہاں رہا ہے اور اس کی نصرت وحمایت کو خدا اور رسول کا ذمہ قرار دیا ہے جیسا کہ اس جانب اشارہ گزر چکا۔

ذمیوں کی خصوصیات کے تحفظ کے لئے اسلامی شریعت کی یہ بے چینی، اقلیتوں کی حمایت کی

Marfat.com

ٹھوس ضمانت ہے، کیوں کہ اسلامی مملکت میں اسلامی شریعت سب سے بلند وبالا قانون کی حیثیت رکھتی ہے، کسی وضعی اور خود ساختہ قانون کو اس کی مخالفت کا حق نہیں۔ اس گارنٹی کے بعد اکثریت کے لئے، جمہوری قدروں کے مطابق ہی سہی، کوئی ایسی تجویز پاس کرنے کی گنجائش نہیں جس سے اقلیت کے حقوق کی پامالی ہوتی ہو اور ایسی کوئی تجویز اگر پاس بھی ہوگئی تو شرعی، دستوری اور قانونی نقطہ نظر سے باطل اور بے اثر ٹھہرے گی[1]۔

اسی طرح اسلامی شریعت سے وابستہ اقلیت کے حقوق "معاملہ بالمثل" (جیسا عمل ویسی جزا) کے اصول کے بھی تابع نہیں، اس لئے غیر مسلموں کے آس پاس بسی ہوئی مسلم اقلیتوں کے حقوق اگر پامال کئے جائیں تو بدلے میں غیر مسلموں کے حقوق پامال کرنا جائز نہیں[2]۔

اسلامی شریعت کی مذکورہ خواہش کی واضح دلیل یہ شرعی قاعدہ ہے " أمرنا أن نترکھم وما یدینون " (ہمیں حکم ہے کہ ان کو ان کے دین کے ساتھ چھوڑ دیں)۔

اس طرح اسلامی شریعت غیر مسلموں کے حقوق کے دوہرے تحفظ کی قائل ہے، ایک تو اس طرح کہ اس نے مسلم وغیر مسلم کو مساوی قرار دیا اور دوسرے اس طرح کہ غیر مسلموں کی ملی اور نسلی خصوصیات کو ختم ہونے سے بچایا اور اسی قوت سے ان خصوصیات کا دفاع کیا جس قوت کے ساتھ مسلمانوں کی خصوصیات کے تحفظ کی کوشش کرتی ہے۔ گویا معاملہ میں غیر مسلم کو مسلم پر ایک گونہ برتری حاصل ہوگئی[3]۔

(ج) اسلام کی عبقریت اس توازن میں نمایاں ہوتی ہے کہ اس نے ایک طرف اکثریت کے تقاضوں کو پورا کر کے، اقلیت کو اس کے مساوی قرار دیا اور دوسری طرف اقلیت کی

---

[1] مودودی: حقوق اہل الذمۃ، حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۶۔

[2] ڈاکٹر وائل علام۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۳۱۷، ۳۱۸۔

[3] ڈاکٹر طٰہٰ جابر علوانی۔ مقدمہ کتاب حقوق المواطنۃ، حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۱۳، ۱۶، یہ کتاب غنوشی کی تالیف ہے اور اس پر مقدمہ ڈاکٹر جابر علوانی کا ہے۔

Marfat.com

خصوصیات کا مکمل تحفظ کیا، اس طرح '' لهم مالنا وعليهم ماعلينا ''(ہمیں جو حقوق حاصل ہیں وہ انہیں بھی حاصل ہوں گے اور ہمارے اوپر جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان پر بھی ہوں گی)اور'' أمرنا أن نترکهم و مايدينون ''(ہم ان کو ان کے دین کے معاملہ میں آزاد چھوڑ دیں) کے درمیان خوبصورت توازن قائم کیا، ذیل کے نقاط کے تحت اسی خوبی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

دوم: جان و مال کا احترام:

(الف) سنت سے استدلال:

(۱) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی ذمی کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی[1]۔

(۲) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی ذمی کو تکلیف پہنچائی، میں اس کا خصم ہوں، اور جس کا میں خصم بن جاؤں قیامت کے دن اسے شکست دے دوں گا[2]۔

(۳) نجران کے نصاری سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عہد فرمایا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ باشندگان نجران اور ان کے اطراف میں بسے لوگوں کے لئے خدا کی پناہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ ہے ان کی جانوں کے لئے، ان کی ملت کے لئے، ان کی زمین کے لئے اور ان کی مال و دولت کے لئے، یہ عہد اور ذمہ حاضر کے لئے بھی ہے اور غائب کے لئے بھی، اور ہر اس چیز کے لئے جو ان کے قبضہ میں ہے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ البتہ

---

[1] طبرانی نے یہ حدیث، الاوسط میں حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

[2] یہ حدیث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں روایت کی ہے۔ ج ۸، صفحہ نمبر ۳۷۰، اس کی سند حسن ہے۔ منقول از ڈاکٹر قرضاوی: غیر المسلمین حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۱۱۔ حسین حامد حسان: حقوق الذمیین اسلام آباد دعوہ اکیڈمی، جامعہ اسلامیہ، طبع اول جنوری ۱۹۹۵ء، صفحہ نمبر ۵۔

Marfat.com

جاہلیت کا سود اور خون ان کے لئے نہیں[1]۔

(ب) خلفاء کے عمل سے استدلال:

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مختلف علاقوں سے آنے والے وفود سے ذمیوں کے حالات دریافت فرمایا کرتے تھے، اس اندیشہ سے کہ کہیں کوئی مسلمان ان کو تکلیف نہ پہنچائے، لوگ جواب میں کہا کرتے تھے: مانعلم إلاوفاء ، جہاں تک ہمیں معلوم ہے مسلمان ذمیوں کے ساتھ کئے گئے عہد کو پوری طرح نبھا رہے ہیں[2]۔

(۲) حضرت علی بن طالبؓ فرمایا کرتے تھے: ذمیوں نے جزیہ ادا کیا ہے تا کہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائیں[3]۔

(ج) فقہ سے استدلال:

(۱) ابن حزم نے ''مراتب الاجماع'' میں نقل کیا ہے کہ اگر ہمارے دیار میں کسی ذمی کا کوئی دشمن پیچھا کرے تو مسلمان پر اس دشمن سے لڑنے کے لئے نکلنا لازم ہے تا آں کہ وہ شہید ہو جائے کیوں کہ وہ ذمی خدا اور رسول کے ''ذمہ'' میں ہے جس کا تحفظ ضروری ہے اور ذمی کو دشمن کے حوالہ کر دینا ''عقد ذمہ'' کے خلاف ہے[4]۔

---

[1] طبقات بن سعد ج ۱، صفحہ نمبر ۲۸۷، ۲۸۸۔ ابو عبید: الأموال، صفحہ نمبر ۱۸۲۔ منقول از ڈاکٹر حسین حامد حسان: الحریۃ الدینیۃ۔ اسلام آباد، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، طبع اول جنوری ۱۹۹۵ء، صفحہ نمبر ۶، حاشیہ ۱۳۔

[2] طبری: تاریخ الأمم والملوک، بیروت، لبنان: دار القاموس الحدیث، ج ۴ صفحہ نمبر ۲۱۸۔

[3] مغنی: ابن قدامۃ، حوالہ بالا، ج ۸۔ صفحہ نمبر ۴۴۵۔ کاسانی: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ مصر، مطبعۃ الجمالیۃ، طبع اول ۱۹۱۰ء۔ ج ۷۔ صفحہ نمبر ۱۱۱۔

[4] ابن ارزق اندلسی: بدائع السلک فی طبائع الملک، تحقیق: ڈاکٹر محمد بن عبد الکریم۔ تیونس، لیبیا، الدار العربیۃ، ۱۹۸۰ء، صفحہ نمبر ۶۸۸، منقول از ڈاکٹر احمد ابو الوفاء، أثر أئمۃ الفقہ فی تطویر قواعد القانون الدولی والعلاقات الدولیۃ، قاہرہ، مصر، دار النھضۃ العربیۃ، ۱۹۹۷ء، صفحہ نمبر ۱۸۷۔

Marfat.com

(۲) امام قرافی نے اس کے حاشیہ پر درج کیا ہے کہ ایسا معاملہ جسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے جان و مال کی بربادی سامنے آئے بہت بڑا معاملہ ہے[1]۔

(۳) حنابلہ کی کتاب "مطالب أولیٰ النهی" میں مذکور ہے، امام کی ذمہ داری ہے کہ ذمیوں کی حفاظت کرے، انہیں تکلیف دینے والے کو روکے، ان کے قیدیوں کو چھڑائے، اور جو ان کو تکلیف پہنچانے کا قصد کرے ان کو دفع کرے، بشرطیکہ یہ لوگ دارالحرب میں نہ ہوں، دارالاسلام میں ہوں، اگرچہ وہ کسی علاقے میں منفرد ہوں، ان پر اسلامی احکام نافذ ہوں گے اور ان کا عقد ذمہ دائمی ہوگا، لہٰذا ان پر وہ سبھی کچھ لازم ہوگا جو مسلمانوں پر لازم ہے[2]۔

(د) ذمی کے بدلے مسلمان کا قتل:

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی یا مستأمن کو قتل کردے تو کیا مسلمان پر قصاص واجب ہے؟ اس سلسلے میں فقہاء کے چار اقوال ہیں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: ذمی کے بدلہ مسلمان کو قتل کیا جائے گا، ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: مستأمن کے بدلہ بھی مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

امام شعبی، نخعی، ابن ابی لیلیٰ اور عثمان بتّی وغیرہ کی یہی رائے ہے کیوں کہ کتاب وسنت میں قصاص کو واجب کرنے والے نصوص عام ہیں اور وہ خون کی دائمی عصمت کے حق میں برابر ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے معاہد کے بدلہ مسلمان کو قتل فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا: "أنا أكرم من وفى بذمته"[3] میں عہد والے کا عہد پورا کرنے کا زیادہ حقدار ہوں۔

---

[1] قرافی: الفروق، طبع دارالسلام للطباعة والنشر والتوزيع والترجمة، فرق نمبر ۱۱۹، ج ۲، صفحہ نمبر ۷۰۱۰۔

[2] سیوطی: مطالب أولیٰ النهی فی شرح غاية المنتهی۔ دمشق۔ شام، منشورات المكتب الإسلامی ج ۲ صفحہ نمبر ۶۰۲، ۶۰۳۔

[3] اس حدیث کو عبدالرزاق اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ سنن میں مذکور ہے۔ ج ۸، صفحہ نمبر ۳۰، ملاحظہ ہو ابن التركمانی: الجوهر النقی، حاشیہ سنن کبریٰ۔ نیز ملاحظہ ہو: المصنف: ج ۱۰ صفحہ نمبر ۱۰۱۔ منقول از ڈاکٹر قرضاوی حوالہ بالا صفحہ نمبر ۱۳۔

Marfat.com

ہم بھی اس رائے کے قائل ہیں اور مولانا مودودیؒ، عبدالقادر عودہ، اور عبدالکریم زیدان نے اسی کو ترجیح دی ہے[1]۔

(ہ) مسلمان، ذمی یا مستامن کے قتل خطا کی صورت میں وجوب دیت کی دلیل:

اللہ تعالی کا یہ ارشاد پاک ہے: **وما كان لمؤمن أن يقتل مؤمنا إلا خطأ و من قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله إلا أن يصدقوا فإن كان من قوم عدو لكم و هو مؤمن فتحرير رقبة مؤمنة و إن كان من قوم بينكم و بينهم ميثاق فدية مسلمة إلى أهله و تحرير رقبة مؤمنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين توبة من الله و كان الله عليماً حكيماً** (النساء:۹۲) اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کر دے لیکن غلطی سے، اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور خوں بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دیا جائے، مگر یہ کہ وہ لوگ معاف کر دیں اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جو تمہارے مخالف ہیں اور وہ شخص خود مومن ہے تو ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہو تو خوں بہا ہے جو اس کے خاندان والوں کے حوالہ کر دیا جائے اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا، پھر جس شخص کو یہ میسر نہ ہو تو متواتر دو ماہ کے روزے ہیں بہ طریقہ توبہ کے، جو خدا کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اور اللہ بڑے علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

---

[1] مودودی: نظریۃ الاسلام و ھدیہ۔ صفحہ نمبر ۳۴۳، منقول از غنوشی۔ حوالہ بالا صفحہ نمبر ۱۰۸، عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الإسلامی مقارناً باالقانون الوضعی۔ قاہرہ، مصر، دارالتراث للطبع والنشر، طبع سوم ۱۹۷۷ء، ج ۲ صفحہ نمبر ۱۲۳، ۱۲۴، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان: حوالہ بالا صفحہ نمبر ۲۶۸-۲۷۳، نیز ملاحظہ ہو: صفحہ نمبر ۲۵۴ اور اس سے آگے۔ کاسانی: حوالہ بالا، ج ۷ صفحہ نمبر ۲۳۷، ردالمحتار علی الدر المختار، حاشیہ بن عابدین، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ج ۵ صفحہ نمبر ۳۴۳، ۳۴۴، غنوشی: حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۱۰۶، ۱۰۷۔

Marfat.com

(۱) جمہور فقہاء یعنی حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ نے یہی نقل کیا ہے[1]۔

(۲) ذمی اور مستامن کی دیت کی مقدار کی بابت فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن ہم حنفیہ، زیدیہ اور سفیان ثوری وغیرہ کی رائے کے قائل ہیں کہ غیر مسلم کی دیت خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی مسلمان کی دیت کے برابر ہے[2]۔

(و) مملکت کے احکام کو تسلیم کرنے کے تقاضے:

سزا سے متعلق بقیہ قوانین جن سے جان، مال اور آبرو کا تحفظ ہوتا ہو ذمیوں پر نافذ کئے جائیں گئے، البتہ ان سب کے ساتھ فقہاء نے کچھ امور میں فرق کیا ہے، چنانچہ جو امور مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان مشترک ہیں جیسے زنا، چوری، قتل اور بہتان کی حرمت وغیرہ، ان میں اہل ذمہ شریعت کے احکام کے تابع ہوں گے اور وہ امور جن کی حلت کا اہل ذمہ اعتقاد رکھتے ہیں جیسے شراب پینا، خنزیر کا گوشت کھانا وغیرہ، ان میں ان کو ان کے عقیدہ پر باقی رکھا جائے گا اور ان امور میں ان کو کوئی سزا نہیں ہوگی، بشرطیکہ وہ یہ کام مسلمانوں کے درمیان انجام نہ دیں۔ مولانا مودودیؒ، اور عودہ کا خیال یہ ہے کہ مملکت کی ساری عوام پر تمام جرائم میں شریعت کے سارے احکام نافذ ہوں گے اور ہم بھی اسی رائے کے قائل ہیں[3]۔

---

[1] کاسانی: ج ۷ صفحہ نمبر ۲۵۲، الأم: شافعی۔ ج ۶ صفحہ نمبر ۴۰، ۴۱، المہذب: ج ۲ صفحہ نمبر ۲۰۴، المغنی: ج ۷ صفحہ نمبر ۶۵۱، کشاف القناع: ج ۴ صفحہ نمبر ۳، الشرح الکبیر للدردیر: ج ۲ صفحہ نمبر ۲۶۸ ۳ (منقول از ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، حوالہ بالا، صفحہ ۲۷۳، ۲۷۴)۔

[2] ڈاکٹر زیدان نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے، حوالہ بالا صفحہ نمبر ۲۸۳، نیز ملاحظہ فرمائیں۔ صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶، اس جگہ درج ذیل کتابوں کا حوالہ ہے، کاسانی: ج ۷۔ صفحہ نمبر ۲۵۴، ہدایۃ: ج ۸۔ صفحہ نمبر ۳۰۷، الدر المختار: ج ۵۔ صفحہ نمبر ۵۰۵، شرح العنایۃ: ج ۸۔ صفحہ نمبر ۳۰۷، شرح الکنز للزیلعی: ج ۶ صفحہ نمبر ۱۲۸، ۱۲۹، جصاص: ج ۲ صفحہ نمبر ۲۳۸، سبل السلام شرح بلوغ المرام: ج ۳ صفحہ نمبر ۳۴۲، ۳۴۳، الروض النضیر: ج ۴ صفحہ نمبر ۲۷۴، ۲۷۵، شرح الأزہار: ج ۴ صفحہ نمبر ۴۴۳، عبدالقادر عودۃ: حوالہ بالا صفحہ نمبر ۱۸۳۔

[3] الشرح الکبیر لابن قدامۃ: بیروت، لبنان۔ دار الکتاب العربی للنشر والتوزیع ۱۹۸۳ء، ج ۱۰ صفحہ نمبر ۶۱۱، ۶۱۲۔ غنوشی: حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۱۰۵-۱۱۲۔

Marfat.com

(ز) ذمیوں کے اموال کا حکم:

احترام اور تحفظ میں ذمیوں کا مال، مسلمانوں کے مال کی طرح ہے[1]۔ انہیں اپنے مال میں تصرف کا مکمل اختیار ہے جیسے مسلمانوں کو مکمل اختیار ہے۔

سوم: انصاف کا وجوب:

(الف) غیر مسلموں کے ساتھ جداگانہ رویہ اختیار کرنے کے سلسلہ میں اسلام نے ایک عظیم قاعدہ وضع کیا ہے جس کی بنیاد غیر مسلموں کے مسلمانوں کے ساتھ عملی موقف پر ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: "لا ينها كم الله عن الذين لم يقاتلو كم فى الدين ولم يخرجو كم من ديار كم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين○ إنما ينها كم الله عن الذين قاتلو كم فى الدين وأخرجو كم من ديار كم وظاهروا على إخراجكم أن تولّوهم ومن يتولّهم فأولئك هم الظالمون" (الممتحنۃ: ۸-۹)۔

(اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں یا تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور نکالنے میں مدد کی ہو، جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہ گنہگار ہوں گے)۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوىٰ،

---

[1] ابن قدامۃ: المغنی۔ قاہرہ، مصر، دار المنار، طبع سوم، ج ۸ صفحہ نمبر ۴۴۴، ۴۴۵، زیدان: صفحہ نمبر ۱۳۰، ۱۳۱۔

Marfat.com

واتقوا الله إن الله خبير بما تعملون (المائدۃ:۸) (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے اٹھ کھڑے ہو اور انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے)۔

سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۹ میں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے منع کیا گیا جو مسلمانوں سے قتال کرتے، ان کو گھروں سے نکالتے اور ایسا کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں، یعنی مسلمانوں کے خلاف عملی دشمنی کا کردار ادا کرتے ہیں، جب کہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۸ میں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اجازت دی گئی جو ہر چند کہ غیر مسلم ہیں اور مسلمانوں کے تئیں دل میں نفرت رکھتے ہیں جیسا کہ سورہ مائدۃ کی آیت میں لفظ ''شنان'' (قلبی نفرت) اور دشمنی سے ظاہر ہے لیکن عملی طور پر کوئی کردار ادا نہیں کرتے[1]۔

جہاں تک ''قسط'' کا تعلق ہے تو وہ عدل وانصاف کو کہتے ہیں اور مسلمانوں کو پوری انسانیت کے ساتھ عدل کا حکم دیا گیا ہے کیوں کہ آیت کریمہ عام ہے، ارشاد خداوندی ہے: إن الله يأمر بالعدل (النحل:۹۰) (اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: لقد أرسلنا رسلنا بالبينات وأنزلنا معهم الكتاب والميزان ليقوم الناس بالقسط (الحدید:۲۵) (اور ہم نے اصلاح آخرت کے لئے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمایا تا کہ لوگ عدل قائم کریں)۔

تیسری جگہ ارشاد ہے: وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل (النساء:۵۸) (اور جب آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیجیے)۔

---

[1] قسط اور بر (انصاف اور حسن سلوک) میں فرق یہ ہے کہ قسط تو عدل اور انصاف کو کہتے ہیں جب کہ ''برّ'' حسن سلوک اور احسان کا نام ہے۔ یعنی ہم ان کو ان کے حق سے زیادہ دیں اور لینے میں اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو جائیں (ڈاکٹر یوسف قرضاوی: فتاویٰ معاصرۃ، کویت دار القلم۔ ۲۰۰۱ء صفحہ نمبر ۱۸۹، ۱۹۰)۔

Marfat.com

ایک مقام پر آپ ﷺ کی زبانی ارشاد فرمایا: **وأمرت لأعدل بينكم** (الشوریٰ: ۱۵) (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان انصاف کروں)۔ سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ اور سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۸ میں جو انصاف اور عدل پر زور دیا گیا ہے وہ اس وجہ سے کہ مذہب میں اختلاف اور قلبی نفرت کی وجہ سے کہیں ظلم کی نوبت نہ آجائے یا معاملہ ظلم تک نہ پہنچ جائے۔

(ب) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: سنو! جو کوئی کسی معاہد پر ظلم کرے، یا اس کی حق تلفی کرے، اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لادے یا اس کی خوشدلی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے، تو میں قیامت کے دن اس سے لڑوں گا[۱]۔

عہد نبوی ہی میں اہل نجران یعنی نصاری نجران کے سلسلہ میں اس کا نفاذ بھی ہوا کہ ''ان میں کسی فرد کو دوسرے فرد کے ظلم کے بدلہ میں گرفتار نہیں کیا جائے گا[۲]'' یعنی انفرادی ذمہ داری اور انفرادی سزا کا اصول مقرر ہوا۔

(ج) اس کا نفاذ، خلافت راشدہ[۳] خلافت امیہ[۴] اور خلافت عباسیہ میں[۵] تسلسل کے ساتھ

---

[۱] یہ حدیث ابوداؤد، اور بیہقی میں ہے، نیز امام ابویوسف کی کتاب الخراج میں بھی ہے: صفحہ نمبر ۱۳۵، سنن کبریٰ: ج ۵ صفحہ نمبر ۲۰۵۔

[۲] ابویوسف: كتاب الخراج۔ صفحہ نمبر ۷۲، ۷۳، طبقات بن سعد: ج ۱ صفحہ نمبر ۲۸۷۔۲۸۸، أبو عبيد: الأموال، صفحہ نمبر ۲۴۴، ۲۴۵ (منقول از ڈاکٹر حسین حامد حسان: حقوق الذميين، حوالہ بالا، صفحہ نمبر ۵): ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين... ولا يوا خذ أحد منهم بظلم آخر

[۳] مشہور واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ جب خلیفہ تھے تو ان کے اور ایک نصرانی کے درمیان ایک زرہ کے سلسلے میں تنازعہ ہوا، معاملہ حضرت شریح کے پاس گیا، انہوں نے نصرانی کے حق میں فیصلہ کیا کیوں کہ زرہ پر قبضہ اسی کا تھا اور حضرت علیؓ کے پاس کوئی شہادت نہیں تھی۔ ابن كثير: البداية والنهاية فى التاريخ۔ مصر، مطبعة السعادة، ج ۸، صفحہ نمبر ۴، ۵۔

[۴] مشہور واقعہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے یوحنا کا کلیسا، نصاری کو لوٹا دیا۔ بلاذری: فتوح البلدان۔ صفحہ نمبر ۱۷۱، ۱۷۲، اور یہ بھی قصہ ہے کہ یزید بن الولید نے ذمیوں کو قبرص لوٹا دیا (البلاذری: صفحہ نمبر ۲۱۴)۔

[۵] جبل لبنان سے اہل ذمہ کی جلاوطنی کے سلسلے میں امام اوزاعیؒ کا مؤقف، اور عباسی حکمراں ابن سلام سے ان کی مراسلت: الأموال۔ بیروت۔ لبنان، دار الفكر العربى، طبع اول، ۱۹۷۵ء صفحہ نمبر ۲۲۱، ۲۲۳۔

Marfat.com

جاری رہا، اوراس کی خوب صورت مثالوں سے تاریخ اسلامی کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

چہارم: مساوات وبرابری:

(الف) تمام لوگوں کی اصل ایک ہے اوران کا معبود بھی ایک ہے:

اللہ تعالیٰ نے بحیثیت بشر انسانوں کی تکریم فرمائی ہے، ارشاد ربانی ہے: ''کرمنا بنی آدم'' (الاسراء:۷۰) (ہم نے انسانوں کی تکریم کی ہے)، ''خلقنا الإنسان فی أحسن تقویم'' (التین:۴) (ہم نے انسان کوخوبصورت سانچہ میں پیدا کیا)، پس انسانوں کے درمیان مساوات اس عمل کا فطری نتیجہ ہے۔

امام کاسانیؒ نے البدائع الصنائع میں ایک حدیث نقل کی ہے جو دار قطنی میں مرسلاً مروی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمانڈر کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: پس جب وہ عقد ذمہ قبول کرلیں تو انہیں بتادو کہ ان کے لئے وہ سارے حقوق ہیں جو مسلمانوں کے لئے ہیں اور ان کے اوپر وہ ساری ذمہ داریاں ہیں جو مسلمانوں پر ہیں[1].....

(ب) عملی میدان میں مساوات کے مظاہر کئی ایک ہیں:

(۱) قانون میں مساوات۔

---

[1] کاسانی: البدائع۔ ج ۷۔ صفحہ نمبر ۱۰۰۔ زیدان: حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۷۰۔ اسی کے حاشیہ پر درج ہے کہ میں نے اس حدیث کو مشہور کتب حدیث میں تلاش کیا لیکن یہ حدیث نہیں ملی، علوم حدیث سے تعلق رکھنے والے علماء سے دریافت کیا، وہ لوگ کچھ نہ بتا سکے، اس کے متن پر یہ تبصرہ کیا گیا ہے کہ یہ حدیث گو کہ مشہور کتب حدیث میں نہیں ہے لیکن اس کا مفہوم فقہاء کے یہاں قابل قبول ہے اور اس معنی میں اسلاف سے بعض اقوال بھی منقول ہیں۔ حضرت علی بن طالبؓ فرماتے ہیں: انہوں نے عقد ذمہ قبول کیا ہے تا کہ ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح اور ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہوجائیں: کاسانی ج ۷ صفحہ نمبر ۱۱۱، سنن دار قطنی۔ ج ۲، صفحہ نمبر ۳۵۰: جس کے لئے ہماری طرف سے ''ذمہ'' ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے، یہ حدیث حضرت حسن سے مرسلاً مروی ہے جیسا کہ نصب الرایۃ۔ ج ۳، صفحہ نمبر ۴۴۷ میں ہے، ابن زنجویہ نے ''الاموال'' میں اس کی تخریج کی ہے۔

Marfat.com

(۲) قضاء میں مساوات۔

(۳) سیاسی حقوق اور ملازمت میں مساوات۔

(۴) عام وسائل زندگی اور اسباب حیات سے انتفاع میں مساوات۔

(۵) عمومی ذمہ داریوں میں مساوات (ٹیکس، اور فوجی خدمت وغیرہ)۔

(۱) قانون میں مساوات:

یہ مساوات تو ثابت شدہ ہے۔ ''دوم۔خون اور مال کا احترام'' عنوان کے تحت ہم نے سول اور فوجداری دونوں قانونوں میں مساوات کے اصول کو پیش کیا ہے، لہٰذا غیر مسلموں کے حقوق و واجبات میں وہیں اختلاف ہوگا جہاں ان کے عقیدہ کا تقاضہ ہوگا، کیونکہ جیسے دو مساوی چیزوں میں مساوات برتنا انصاف ہے اسی طرح غیر مساوی حالات میں مساوات برتنا سراسر ظلم ہے، اس سے اصول مساوات کی تاکید ہوتی ہے، نہ کہ کوئی استثناء، جیسا کہ شہید عبدالقادر عودہؒ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو ایسے عمل پر مجبور کرنا جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو اسی طرح ذمیوں کو اس عمل پر مجبور کرنا جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو اصول عدل و مساوات کے قطعاً خلاف ہے مثلاً ذمی کو شراب چھوڑنے پر مجبور کیا جائے یا مسلمان کو طلاق سے باز رہنے پر مجبور کیا جائے۔[1]

(۲) قضاء میں مساوات:

قضاء میں مساوات کو ہم نے ''سوم: انصاف کا وجوب'' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

(۳) ملازمت اور سیاسی حقوق میں مساوات:

اسلامی مملکت میں عام ملازمتوں کے حصول کا ذمی کو پورا حق ہے بشرطیکہ اس ملازمت سے

---

[1] راشد غنوشی: حقوق المواطنۃ، حوالہ بالا، ۷۲۔

Marfat.com

متعلق شرائط پر پورا اترتا ہو اور اس ملازمت کے امیدواروں میں شرائط کے اعتبار سے ممتاز ہو۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے لکھا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ میں جس سفیر کو نامزد کیا تھا اس کا نام عمرو بن امیہ خمری تھا اور وہ غیر مسلم تھا[1]۔ اسی طرح حکومت سے وابستہ مختلف عہدوں پر متعدد مشرکین کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دینے کے لئے مقرر فرمایا جیسا کہ جاسوسی کے محکمہ میں بھی بعض عہدوں پر مشرکین کو بحال فرمایا۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے سرکاری دفتر میں متعدد ذمی منشیوں کو بحال فرمایا، ان لوگوں کا اثر ورسوخ اسلامی مملکت میں ایک زمانہ میں اتنا بڑھ گیا کہ ان میں سے بعض وزراء بھی ہوئے[2]۔

سعید بن حوی کی رائے اس سلسلہ میں سب سے الگ ہے کہ غیر مسلموں کو کوئی سرکاری ملازمت دینا درست نہیں[3]۔

اونچے عہدے:

فقہاء نے خلافت عامہ اور وزارت تفویض، جسے آج وزارت عظمیٰ کہتے ہیں کے عہدوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، ان کے نزدیک غیر مسلموں کو ان عہدوں پر بحال کرنا درست نہیں، ان عہدوں پر تقرر کے لئے اسلام شرط ہے۔ ہاں وزارت تنفیذ غیر مسلم کو سونپنے میں کوئی حرج نہیں[4]۔

معاصر فقہاء میں سے بعض اسی کے قائل ہیں جب کہ دوسرے اپنی الگ رائے رکھتے ہیں،

---

[1] Muhammad Hamidullah: Le Prophete de, 1' Islam, 4 Edition, Paris 1979 Tome 1 P.406 -412.

[2] ملاحظہ ہو۔ طارق بشری۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۱۶، ۲۱۹۔

[3] سعید حوی الاسلام۔ قاہرۃ۔ مکتبہ وھبہ ۱۹۷۷ء۔ ج ۲، صفحہ نمبر ۱۳۔

[4] ماوردی: الأحکام السلطانیۃ۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۵، مولانا مودودیؒ کا خیال ہے کہ اونچے عہدوں میں سے انہی کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جن کی تعیین ماہرین کریں، اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جن خدمات کا تعلق عملی منصوبہ بندی اور سرکاری محکموں کی راہنمائی سے ہے وہ نازک اور اہم عہدے ہیں اور اس قسم کی خدمات کسی بھی اصولی نظام مملکت میں انہی کو دی جاتی ہے جو اس نظام کے اصول واقدار سے متفق ہوں۔

Marfat.com

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ شرائط جن کی نشاندہی متقدمین نے کی ہے، ان میں یہ امر ملحوظ خاطر رہا ہے کہ اس عہدے کے عمل کو انجام دینے والا فرد ہے، جب کہ آج یہ عمل مختلف ادارے اور شعبے انجام دے رہے ہیں، اور اس عمل کا ایک ایک حصہ الگ الگ ادارہ نبھا رہا ہے۔ بلکہ عمل کا وہ حصہ بھی مختلف مراحل سے گزرتا ہے جن میں سے ہر مرحلہ کو پورا کرنے والے ماہرین کی ایک ٹیم ہے، اس لئے انجام کے اعتبار سے مذہب کی شرط لگانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، بس یہ کافی ہے دستور میں وضاحت کر دی جائے کہ مملکت کا مذہب اسلام ہوگا اور شریعت، قانون سازی کا اصل مأخذ و منبع ہوگی[1]۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ امامت عظمیٰ کا تحقق اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب مسلمان کسی ایک ملک میں مجتمع ہوں، عصر حاضر میں جس طرح مسلمان مختلف ملکوں میں منتشر ہیں وہاں کے وزراء کے لئے اسلام کی شرط لگانا غیر معقول ہے اور وزیر اعظم کے لئے تو یہ شرط اور بھی نا قابل عمل ہے[2]۔

اس بارے میں ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمانوں کی اکثریت ہو تو وہاں وزیر اعظم کے حق میں شرط اسلام میں تساہل کی تو ایک حد تک گنجائش نکالی جا سکتی ہے لیکن صدر مملکت جو مملکت کا نشان اور علامت ہوا کرتا ہے، اس میں تو اس شرط کا پایا جانا ناگزیر ہے، اور صدر مملکت کے لئے کسی متعین مذہب کی شرط بلکہ بعض ملکوں میں کسی متعین مسلک کی شرط مروج و مشہور ہے، بعض اوقات دستور میں اس کی صراحت ہوتی ہے اور کبھی اس بارے میں صرف عرف کا اعتبار کر لیا جاتا ہے، جیسا کہ ''بحث دوم'' کے ذیل میں ہم نے اس کی پوری وضاحت کی ہے۔

سیاسی حقوق سے استفادہ:

اہل ذمہ کے حق سے متعلق کچھ نئے مسائل رہ جاتے ہیں جن کی تشریح ضروری ہے، مثلاً اسمبلی

---

[1] طارق بشری: حول أوضاع المشارکۃ۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۲۱۶، ۲۱۹۔

[2] زیدان۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۸۳، ۸۴۔

Marfat.com

انتخابات (المجالس النیابیہ)[1] میں امیدواری، صدر مملکت سے متعلق استصواب رائے میں ووٹنگ کا حق اور اسمبلیوں کے ممبران کے انتخاب میں ووٹنگ کا حق وغیرہ، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان امور میں حصہ لینے کا غیر مسلموں کو حق ہے اور یہی اس ''وطنیت'' کا بھی تقاضہ ہے جس کی تشریح ''ششم، وطنیت'' کے ذیل میں آچکی، مولانا مودودیؒ کا خیال ہے صرف بلدیاتی اور صوبائی کونسلوں میں ممبر شپ اور ووٹنگ کا ان کو حق ہونا چاہئے[2] قومی کونسل میں ان دونوں کا حق ان کو نہیں ملنا چاہئے[3]۔

(۴) عام وسائل زندگی سے انتفاع میں مساوات:

یہ مساوات بھی طے شدہ ہے اور ہم اس کی ایک اہم تطبیق ''ششم: حسن سلوک'' کے عنوان کے تحت معاشرتی انشورنس کی بحث میں بیان کریں گے۔

(۵) عمومی ذمہ داریوں میں مساوات:

عمومی ذمہ داریوں سے مراد، ٹیکس کے مختلف اقسام اور عسکری خدمت ہے جسے کچھ لوگ (Blood Tax) کا نام دیتے ہیں۔ اسلام نے ٹیکس اور عسکری خدمت کو مذہبی رشتہ سے جوڑ دیا ہے جو ان دونوں میں جلوہ گر ہے، زکاۃ اسلام کا ایک رکن ہے اور جہاد اسلام کی سرخروئی اور سربلندی کا ذریعہ، اسی وجہ سے اصل یہ ہے کہ غیر مسلموں کو ان دونوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ رکھا

---

[1] ہمارے نزدیک ''المجلس النیابی'' اور ''المجلس التشریعی'' میں فرق ہے۔ اول سے مراد وہ کونسل ہے جو قانون نافذ کرنے والے افسران کی نگرانی کرتی ہے، اور المجلس التشریعی یا مجلس المجتہدین سے مراد وہ کونسل ہے جو قانون سازی کا کام کرتی ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں پہلے میں غیر مسلم کی ممبر شپ درست ہے اور ہماری رائے میں دوسرے میں بھی غیر مسلم کی نمائندگی درست ہونی چاہئے۔ کیوں کہ قانون سازی ان لوگوں سے بھی متعلق ہے، اسی رائے کے قائل تقی الدین النبہانی ہیں (الدستور الإسلامی)، نیز دستور الجمهورية الإيرانية، نیز عبد الکریم زیدان۔ حوالہ بالا ۸۳، ۸۴۔

[2] ملاحظہ ہو۔ غنوشی۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۸۴، ۸۵۔

[3] مودودی: حقوق أہل الذمۃ۔ حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۳۱، ۳۲۔

Marfat.com

جائے اور بدلہ میں ان پر خصوصی ٹیکس یعنی جزیہ عائد کر دیا جائے[1]، اور اگر ان میں سے کسی سے عسکری خدمت لی جائے تو اس کو یہ ٹیکس معاف کر دیا جائے، یہی قدیم وجدید فقہاء کی رائے ہے اور عصر حاضر میں بھی اس پر کوئی اشکال نہیں کیوں کہ عسکری خدمت تمام باشندوں کیلئے عام ہے اور جو کوئی اس کی ادائیگی میں مذہبی اڑچن محسوس کرے (یعنی عسکری خدمت سے اس کا دل اباء کرے) اسے سول خدمت سپرد کی جائے گی۔

البتہ پرانے زمانہ میں قرآن کریم میں (**حتی یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون**) ''یہاں تک کہ وہ اقتدار سے دستبردار ہوکر جزیہ ادا کریں اس حال میں کہ تابع ہوں'' وارد لفظ ''صغار'' (ذلت) کا فقہی مفہوم متعین کرنے میں التباس ہوا ہے کہ اس کو ذلت ورسوائی کے ہم معنی سمجھ لیا گیا، اور اس پر طرح طرح کے عملی نتائج مرتب کر لئے گئے۔ جب کہ تاریخی پس منظر میں اس لفظ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ کسی ملک کی سیاسی موالات قبول کر لی جائے اور وہاں کے قوانین کی تابعیت کو تسلیم کر لیا جائے[2]۔ اس کا یہ مفہوم ومطلب اس وقت تک واضح نہیں ہوا جب تک کہ عہد حاضر میں مملکت کا مفہوم اپنے موجودہ سیاق وسباق کے ساتھ اجاگر نہیں ہوگیا۔ اس مملکت میں سارے ہی باشندے مملکت کی سیاسی موالات اور انتساب کو قبول کرتے ہیں، بلکہ وہ لوگ بھی جو دوسرے ملکوں سے اس مملکت میں آئے اور پھر بس گئے ہیں کیوں کہ جب وہ وزٹ ویزا یا اقامہ کی درخواست دیتے ہیں تو فارم پر مملکت کے قوانین کے احترام کا عہد کرتے ہیں اور

---

[1] ابن قدامۃ: المغنی۔ حوالہ بالا۔ ج ۸ صفحہ نمبر ۴۹۵، ۴۹۶۔ جصاص: أحکام القرآن، بیروت، لبنان، دارالکتاب العربی، ج ۳ صفحہ نمبر ۹۲، ۹۳۔ مغنی المحتاج إلی معرفة ألفاظ المنهاج. مصر، مطبعة مصطفی البابی حلبی و أولاده، ۱۹۵۸ء۔ ج ۴، صفحہ نمبر ۲۴۲، کاسانی، حوالہ بالا، ج ۷ صفحہ نمبر ۱۱۱، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان: حوالۂ بالا، صفحہ نمبر ۱۳۸، ۱۳۹، ڈاکٹر یوسف القرضاوی: حوالۂ بالا، صفحہ نمبر ۳۵، ۳۷، ۶۱۔ جزیہ ایک الگ ٹیکس ہے جو غیر مسلموں میں سے ان لوگوں پر عائد ہوتا ہے جو ہتھیار اٹھانے اور لڑنے کی صلاحیت رکھیں اور یہ مسلمانوں پر واجب ہونے والی زکاۃ سے مقدار میں کم ہوتا ہے۔

[2] قرضاوی: حوالہ بالا۔ ص ۳۷

Marfat.com

یہاں کے احکام وقوانین کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں۔

(ج) مستأمن کے مالی معاملات میں اسلامی شریعت کے احکام نافذ ہوں گے، اسی طرح مستأمن کے جرائم کی سزا میں بھی اسلامی شریعت پر عمل ہوگا، ہاں اس کی شادی، طلاق وغیرہ مسائل میں اسلامی شریعت کا کوئی دخل نہ ہوگا۔

زمانۂ قدیم کے مستأمن کی کیفیت وہی ہے جو عہد حاضر میں اس غیر ملکی کی ہے جو ویزا لے کر ملک میں آتا اور قیام کرتا ہے خواہ وہ اسلامی ملک میں غیر مسلم ہو یا غیر اسلامی ملک میں مسلمان۔

لہٰذا غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمان کا یہ خیال کر لینا کہ وہ دارالحرب میں مقیم ہے، درست نہیں، بعض حضرات اس طرح کی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر حرام اشیا کو حلال سمجھنے لگتے ہیں، یہ بڑی بھول ہے۔ انٹری ویزا یا اقامہ کی درخواست پر دستخط کرنا اس بات کی ضمنی یا صریح دلیل ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کا پاس ولحاظ رکھے گا، لہٰذا اس عہد وفا کو نبھانا ضروری ہے[1]۔

پنجم: حقیقت پسندی اور غیر جانب داری:

حقیقت پسندی اور غیر جانب داری پر گفتگو درحقیقت انصاف ومساوات کے وجوب پر بحث کا فطری امتداد ہے یا دوسرے لفظوں میں زندگی کے وسیع و لچکدار گوشوں میں انصاف ومساوات کی تنفیذ ہے جن کے تصرفات وحرکات قانونی ضابطوں کے پابند نہیں جن کی بابت عدالت میں نالش کی جائے، بلکہ وہ دین کے معیارات کے تابع ہیں جن کا تعلق ضمیر کی عدالت سے ہے، یعنی اگر میں متعین طور پر کہوں تو کہوں گا کہ ان تصرفات سے مراد تعصب وجانبداری کا وہ کردار ہے جو اکثریت، اقلیت کے خلاف اپنائے یا اقلیت اکثریت کے خلاف۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کمپنی اپنے یہاں کسی عہدے پر بحالی کے لیے اعلان نکالے اور صاف لفظوں میں امیدوار کے لئے کسی خاص مذہب کی شرط لگادے تو عدالت میں مقدمہ کر کے مذہب کی بنیاد پر

---

[1] ملاحظہ ہو: السرخسی: المبسوط۔ ج ۱۴، صفحہ نمبر ۲۱۲، بغیر خوشدلی کے کسی کے مال لینے کی حرمت کا بیان۔

Marfat.com

تفریق برتنے کی بنا پر انصاف کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر وہ کمپنی صراحتاً اس شرط کا اظہار نہ کرے لیکن انتخاب کے وقت عملاً اس شرط کو نافذ کرے اور اس امیدوار کو خارج کر دے جو اس کے مطلوبہ مذہب کا حامل نہیں تو وہ کمپنی قانونی احتساب یا قانونی چارہ جوئی سے تو بچ سکتی ہے، لیکن مذہبی معیار کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں ''ضمیر کی عدالت'' میں اسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

(ب) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روزانہ کی زندگی میں غیر جانب داری کے ساتھ لوگوں کے ساتھ معاملہ فرماتے تھے، چنانچہ یہودی سے قرض لے لیتے، اگر یہودی گم ہو جائے تو اسے تلاش فرماتے اور اگر یہودی کا جنازہ گذرے تو کھڑے ہو جاتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ ﷺ پوری حقیقت پسندی کے ساتھ بغیر جانب داری اور تعصب کے معاملہ فرمایا کرتے تھے۔

متعلقہ نصوص پر ایک نظر:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جو کی روٹی اور بودار روغن کے ساتھ حضور پاک کے پاس گئے۔ دراں حالیکہ آپ ﷺ نے اپنی ایک زرہ مدینہ میں ایک یہودی کے پاس رھن رکھ دی تھی اور اس کے عوض گھر والوں کے لئے کچھ جو لیا تھا۔ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس کبھی بھی ایک صاع گیہوں یا ایک صاع دانہ نہیں رہا ہر چند کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں[1]۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھا

---

[1] بخاری: کتاب البیوع ۔باب شراء النبی بالنسیئة ،ترمذی: ۱۱۳۶ ۔نسائی: ۵۴۳۱۔ابن ماجہ ۲۴۳۷، ۴۱۳۷۔مسند احمد: ۱۱۵۵۵، ۱۱۹۱۰، ۱۲۶۹۲، ۱۲۹۵۴، ۱۳۰۱۰۔

Marfat.com

کچھ غلہ لیا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس رکھ دی[1]۔

۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی زرہ تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ یعلی فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمش نے ''درع من حدید'' روایت کیا اور مصلی فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالواحد نے بیان کیا اور وہ کہتے ہیں کہ ہم سے اعمش نے اس طرح بیان کیا: رھنه درعامن حدید[2]۔

ا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک بار وہ بیمار پڑ گیا، حضور ﷺ اس کی عیادت کے لیے پہنچے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا، بچے اسلام لے آؤ، تو اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑے تھے، والد نے اس سے کہا ابوالقاسم (محمد ﷺ) کی بات مان لو چنانچہ وہ اسلام لے آیا، اس کے بعد رسول پاک ﷺ وہاں سے یہ فرماتے ہوئے نکلے: ساری تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے اس کو جہنم سے نجات عطا فرمائی[3]۔

(۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس سے ایک جنازہ

---

[1] بخاری: کتاب البیوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة، صحیح مسلم: کتاب المساقاة ۳۰۰۷، ۳۰۰۸، ۳۰۰۹، نسائی: کتاب البیوع/ ۴۵۳۰، ۴۵۷۱، ابن ماجہ: الأحکام، ۲۴۲۷۔ مسند احمد باقی مسند انصار: ۲۳۰۱۷، ۲۴۱۱۳، ۲۴۷۴۴، ۴۸۰۵۔

[2] بخاری: کتاب الجهاد والسیر ۲۷۰۰، مسلم: کتاب المساقاة ۳۰۰۷، ۳۰۰۸، ۳۰۰۹ نسائی: کتاب البیوع ۴۵۳۰، ۴۵۷۱، ابن ماجہ: کتاب الأحکام ۲۴۲۷، مسند احمد باقی مسند الانصار: ۲۳۰۱۷۔ ۲۴۱۱۳۔ ۲۴۷۴۴۔ ۲۴۸۰۵۔

[3] بخاری: کتاب الجنائز۔ ۱۲۶۸، ابوداؤد: کتاب الجنائز ۲۶۹، احمد: باقی مسند المکثرین۔ ۱۲۳۳۰، ۱۲۸۹۶، ۱۳۲۱۹، ۱۳۴۶۶۔

Marfat.com

گذرا تو حضور پاک ﷺ اس کے لیے کھڑے ہو گئے، تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو گئے، ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، یہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ[1]۔

(۶) فقہ پر ایک نظر:

معاملات میں ذمّی، مسلمان کی طرح ہیں[2] اور اہل ذمہ کے ساتھ معاملہ درست ہے اگرچہ وہ شراب، خنزیر کی خرید و فروخت جائز سمجھتے ہوں اور سودی لین دین کرتے ہوں۔[3]

چنانچہ ایک مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ اگر وہ کسی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہے، خواہ وہ سونار ہو یا میکانیک الکٹریشین ہو یا اور کسی حرفت سے وابستہ شخص ہو، اسی طرح وہ ڈاکٹر ہو یا انجینئر یا بینک کا ملازم یا تاجر یا اور کسی پیشہ سے متعلق ہو، اس کے ساتھ اصلیت اور حقیقت پسندی کے ساتھ معاملہ کرے مثلاً وہ اپنے فن میں کتنا ماہر ہے؟ اپنے وعدوں کا کتنا پابند ہے؟ اس کی قیمتیں مناسب ہیں یا نہیں؟ اس کے مذہب، نسل یا کسی اور حیثیت کی وجہ سے اس کے خلاف یا اس کے موافق جانب داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاملہ نہ کرے۔

(ج) یہی اصول سیاسی میدان میں بھی مناسب ہوگا کہ انتخاب اور استصواب رائے حقیقت کی بنیاد پر ہو۔ اسی طرح مختلف پارٹیوں اور دھڑوں کے درمیان، پارلیامنٹ میں بحث ومباحثہ اور قرارداد کی منظوری اس بنیاد پر ہو کہ فلاں شخص اس کام کے زیادہ لائق ہے یا فلاں رائے صحت سے زیادہ قریب ہے یا فلاں موقف زیادہ محفوظ اور قابل عمل ہے۔

---

[1] متفق علیہ، بخاری: کتاب الجنائز ۱۲۲۸، مسلم: کتاب الجنائز ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، نسائی: کتاب الجنائز ۱۸۹۶، ۱۹۰۲، ابوداؤد: کتاب الجنائز ۲۷۶۰، احمد: باقی مسند المکثرین ۱۳۶۳، ۱۳۹۰۶، ۱۴۰۰۰، ۱۴۱۹۶، ۱۴۲۸۴۔

[2] شرح السیر الکبیر: ج ۳ صفحہ ۲۵۰ (منقول از ڈاکٹر زیدان، حوالہ بالا، ص ۷۰، ۷۱)۔

[3] ابن رشد: المقدمات، مصر، مطبعۃ السعادۃ، ج ۲ صفحہ ۲۸۹۔

Marfat.com

(د) یہی طرز عمل ملازمتوں میں تقرری کے وقت بھی اختیار کیا جائے گا، خواہ گورمنٹ سیکٹر میں ہو یا پرائیوٹ سیکٹر میں، اس معاملہ میں مذہب یا نسل کا لحاظ کرنا خواہ اثباتاً ہو یا سلباً کسی طور مناسب نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی الدیل کے ایک شخص کو بطور رہبر اجرت پر لیا جب کہ وہ کافر تھا اور اس کو اپنی اونٹنی دے کر تین دن بعد صبح کے وقت غار ثور میں اونٹنی کے ساتھ ملنے کا وعدہ لیا۔[1]

البتہ بسبب ضرورت خاص حالات میں مذہب کی شرط لگانا ممنوع نہیں ہے، جیسے مسجد کے امام یا مدرسہ کے مدرسین کے لیے مذہب کی شرط، اسی پر مندر کو قیاس کر لیجیے، ایسے موقع پر مذہب کی شرط لگانا حقیقت پر مبنی ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

ششم: حسن سلوک

۱۔ لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروهم و تقسطوا إلیهم، إن الله یحب المقسطین ۔(الممتحنة:۸) اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بلاشبہ اللہ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں۔ ''انصاف اور مساوات'' پر گفتگو کے دوران یہ آیت گزر چکی ہے، اور یہی آیت ''حسن سلوک'' پر بحث کے لیے بھی دلیل ہے کہ اس غیر مسلم کے ساتھ حسن سلوک جائز ہے جس نے مسلمانوں سے قتال نہ کیا ہو اور

---

[1] بخاری: کتاب الإجارة ،۲۱۰۴، ابوداؤد: کتاب اللباس ،۳۵۶۱، احمد: کتاب مسند الشامیین ،۱۶۹۳۰، کتاب باقی مسند الأنصار، ۲۴۴۴۵، ۲۴۵۹۲۔

[2] یعنی اس قسم کی شرط کی بنیاد اگرچہ مذہب کی اساس پر تفریق پر ہے لیکن یہ تفریق غیر قانونی نہیں ہے۔

Marfat.com

انہیں ان کے وطن سے نہ نکالا ہو۔

۲۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اس آیت پر عمل فرمایا، جب آپ کو یہ خبر ملی کہ قریش قحط کے شکار ہیں تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو ابوسفیان کے پاس پانچ سو دینار کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ اس سے گیہوں خرید کر قریش کے فقراء پر تقسیم کر دیں[1]۔

صلح حالت جنگ کا خاتمہ نہیں کرتی وہ صرف جنگی کارروائیوں کو روک دیتی ہے، پھر بھی سرکار دو عالم ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے مسلمانوں سے قتال کیا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا، شاندار انسانی عمل کا مظاہرہ فرمایا۔

۳۔ ابوعبید قاسم اپنی کتاب ''الأ موال'' میں حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی گھرانے پر کچھ صدقہ فرمایا تو وہ صدقہ ان پر برابر جاری رہا[2]۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ مسلمانوں کی رشتہ داری بنو قریظہ اور بنو نضیر سے تھی، یہ لوگ ان پر صدقہ کرنے سے پرہیز کرتے تھے، تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی: **لیس علیک هداهم ولکن الله یهدی من یشاء وما تنفقوا من خیر فلأ نفسکم وما تنفقون إلاّ ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خیر یوفّ إلیکم وأنتم لا تظلمون** (البقرہ: ۲۷۲) ان کافروں کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ فرض یا واجب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں ہدایت پر لے آویں اور اے مسلمانو، جو کچھ تم خرچ کرتے ہو یہ سب پورا پورا تم کو مل جائے گا اور تمہارے لیے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی۔[3]

(ب) ۱۔ حضرت خالد بن ولید نے اہل حیرہ کے ساتھ صلح کرتے ہوئے صلح نامہ میں لکھا: میں

---

[1] أبو زهرة: العلاقات الدولية۔ حوالہ بالا، صفحہ ۴۲۔

[2] ابن سلام: الأ موال۔ حوالہ بالا۔ ص ۷۲۸، فقرہ ۱۹۹۳۔

[3] ابن سلام: الأ موال ۱۹۷۵ء ط: دار الفکر للطباعة والنشر، ص ۷۲۸، فقرہ ص ۱۹۹۲۔

Marfat.com

نے ان کے لیے طے کیا ہے کہ جو بوڑھا کام سے معذور ہو جائے یا کسی آفت کا شکار ہو جائے یا امیر تھا غریب ہو جائے اور اس کے مذہب کے لوگ اس پر صدقہ کرنے لگیں تو اس سے جزیہ ساقط ہے اور جب تک وہ دارالہجرت اور دارالاسلام میں مقیم ہے، اس کا نان ونفقہ بیت المال کے ذمہ ہے[1]۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ایک بار ان کا گزر کچھ جذامی نصاری کے پاس سے ہوا، تو انہوں نے ان پر صدقہ کرنے اور ان کا روزینہ جاری کرنے کا حکم فرمایا[2]۔

۳۔ امام ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب ''**الخراج**'' میں نقل کیا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کا ایک گھر کے دروازہ کے پاس سے گزر ہوا، وہاں پر ایک یہودی سائل مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: بہت بوڑھا ہوں، اندھا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا، تم کیوں مانگنے پر مجبور ہوئے؟ تو بوڑھے نے جواب دیا: ضرورت اور جزیہ، حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ تھاما اور لیے ہوئے گھر تشریف لائے اور کچھ عطا فرمایا، اس کے بعد بیت المال کے خازن کو بلا کر فرمایا: اس بوڑھے کو دیکھو، واللہ ہم نے اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم اس کی جوانی کو کھا گئے پھر بوڑھاپے میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی: **إنما الصدقات للفقراء والمساكين** (صدقات تو فقراء اور مساکین ہی کے لیے ہیں) اور فرمایا: فقراء تو مسلمان ہیں لیکن مساکین اہل کتاب ہی ہیں، اور پھر اس بوڑھے سائل سے جزیہ معاف فرما دیا، اور اس جیسے تمام لوگوں سے ہمیشہ کے لیے جزیہ معاف کر دیا[3]۔

---

[1] الخراج لأبی یوسف ص ۱۴۴، (منقول از زیدان۔ حوالہ بالا ص ۱۰۳، ص ۱۰۴) اس پر عبدالکریم زیدان حاشیہ میں لکھتے ہیں: یقیناً حضرت خالدؓ کے اس عمل کی حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوگی لیکن انہوں نے نکیر نہیں فرمایا اور نہ ہی کسی اور سے کوئی نکیر منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس پر مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے۔

[2] بلاذری ص ۱۷۷ (منقول از زیدان۔ حوالہ بالا ص ۱۰۴)۔

[3] ابو یوسف: الخراج۔ (منقول از زیدان۔ حوالہ بالا۔ ۱۰۴، ۱۰۵)۔

Marfat.com

۴۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بصرہ کے حاکم عدی ابن اُرطاۃ کولکھا: اپنے علاقہ کے اہل ذمہ کو دیکھو، ان میں سے جس کی عمر دراز ہوگئی، قوت کمزور پڑ گئی اور کمائی کے راستے مسدود ہو گئے ہوں، اس کے لیے مسلمانوں کے بیت المال سے اتنا وظیفہ جاری کردو جو اس کے لیے کافی ہو..... اس لیے کہ مجھ تک یہ واقعہ پہنچا ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ کا ایک بوڑھے ذمی کے پاس سے گزر ہوا جو لوگوں کے دروازے پر مانگ رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم تم سے جوانی میں جزیہ لیتے رہے اور اب بڑھاپے ہی میں یارو مددگار چھوڑ دیا، اس کے بعد بیت المال سے اس کی ضرورت کے مطابق وظیفہ جاری فرمادیا[1]۔

صحابہ اور تابعین وغیرہ میں سے مجتہدین اور علماء جیسے امام زفر حنفی اور بعض فقہاء تابعین، فرقہ زیدیہ، فرقہ اباغیہ کے کچھ لوگ اور محدثین میں سے ڈاکٹر زیدان وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ ذمی کو فقیر، مسکین یا مؤلفۃ القلوب مان کر اسے زکاۃ دینا جائز ہے، مؤلفۃ القلوب کی دو قسمیں ہیں: کفار اور مسلمان، پھر کفار کی دو قسمیں ہیں:[2]

۱۔ وہ لوگ جن کے اسلام کی توقع ہو، ان کو زکاۃ دی جائے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۲۔ وہ لوگ جن کے شر کا خوف ہو، ان کو زکاۃ دی جائے تاکہ ان کے شر کو دور کیا جائے اور دوسروں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے "**إنما الصدقات للفقراء**" کی تفسیر میں منقول ہے کہ فقراء سے مراد اہل کتاب کے اپاہج اور کمزور لوگ ہیں، انہوں نے ایک یہودی بوڑھے کے لیے بیت المال سے روزینہ مقرر کرتے ہوئے اسی آیت سے استدلال کیا اور فرمایا، یہ بوڑھا مساکین اہل کتاب میں سے ہے۔" صاحب

---

[1] حوالہ بالا، ص ۴۵، ۴۶، ۶۴۔

[2] ڈاکٹر عبدالستار أبو غده . ڈاکٹر محمد سلیمان أشقر: معجم الفقه الحنبلی، کویت . وزارة الأوقاف والشئوون الإسلامیة ۱۹۸۴۔ ج ۱، ص ۴۳۶

Marfat.com

منار'' نے امام زہری اور ابن سیرین سے اس کا جواز نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان حضرات کی دلیل لفظ ''فقراء'' کی عمومیت ہے۔ حضرت عکرمۃ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: فقراء مسلمین کو مساکین نہ کہو کہ مساکین تو اہل کتاب ہیں، شیخ ابوزہرہ نے مساکین اہل ذمہ کو بالکل کمزور اور معذور ہو جانے کی صورت میں زکوۃ دینا جائز قرار دیا ہے[1]۔ حالانکہ اہل کتاب وہ زکاۃ ادا نہیں کرتے جو اس انفاق کا سرچشمہ ہے، لہٰذا جب ان سے زکاۃ ٹیکس کے نام پر لی جاتی ہے، تو بدرجہ اولی ان کو زکاۃ دینی جائز ہوگی، جیسا کہ ڈاکٹر قرضاوی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ ایسی صورت میں اہل کتاب کو اسلام کے تعاون وتکافل پر مبنی نظام کا حصہ قرار دیا جائے گا اور ان پر خرچ ان کا حق ہوگا، ان کے ساتھ حسن سلوک اور احسان نہیں، جیسا کہ عام حالات میں ہے۔

ہفتم: ذبیحہ اور نکاح کی حلت:

ذبیحہ اور مصاہرت کی حلت طبعًا محبت وحسن سلوک کے ذیل میں آتی ہے، ارشاد ربانی ہے: **طعام الذين أوتوا الكتٰب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا اٰتيتموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذى أخدان** (المائدۃ:۵) اور جن لوگوں کو کتاب عطا کی گئی ان کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لیے حلال ہے، پارسا عورتیں جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جنہیں تم سے پہلے کتاب عطا کی گئی، تمہارے لیے حلال ہیں جب کہ تم ان کو ان کا معاوضہ دے دو اس طرح کہ ان کو بیوی بناؤ، نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

پس یہ مباح تعلق، دوطرفہ شرعی رشتہ ہے اور اس کی کیفیت ویسی ہی ہے جیسی مسلمان

---

[1] غموشی: حوالہ بالا-ص ۹۰-۹۲۔

Marfat.com

عورتوں سے نکاح کی کیفیت ہوتی ہے یعنی مہر، پاکدامنی اور شادی۔

اس نکاح کے ڈھیر سارے فوائد ہیں جیسے سکون، محبت، الفت ورحمت وغیرہ، ارشاد ربانی ہے: **من اٰیاته أن خلق لکم من أ نفسکم أزواجا لتسکنوا إلیها وجعل بینکم مودة ورحمة** (الروم:۲۱) اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت و ہمدردی پیدا کی۔ نیز اس نکاح کے نتیجہ میں ''مصاہرت'' کا رشتہ جنم لیتا ہے جو خون ونسب کے رشتہ کے ساتھ دوسرا طبعی رشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **هو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً** (الفرقان: ۵۴) اور وہ ایسا ہے جس نے پانی (نطفہ) سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔

اس رشتہ مصاہرت کے نتیجہ میں بیوی کے گھر والے شوہر کے سسرالی رشتہ دار ہو جاتے ہیں۔ بیوی کے والد بچوں کے نانا، بیوی کی والدہ بچوں کی نانی، بیوی کے بھائی بچوں کے ماموں، بیوی کی بہنیں بچوں کی خالہ ہو جاتی ہیں۔ اور یہ تمام رشتے مختلف حقوق ثابت کرتے ہیں مثلاً صلہ رحمی، رشتہ داروں پر خرچ وغیرہ[1]۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمان عورت کی شادی، کتابی مرد سے اس لیے حرام ہے کہ کتابی مرد، اس مسلمان عورت کے اصل مذہب پر ایمان نہیں رکھتا، جب کہ مسلمان مرد کی کتابی عورت سے شادی کی صورت میں، وہ مسلمان مرد، عورت کے اصل دین، اس کے نبی کی نبوت پر یقین رکھتا ہے جو ایک طرح سے عورت کو، مرد کے عقیدہ کے دائرہ میں شامل کر دیتا ہے۔ کتابی مرد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتا، نتیجتاً وہ عورت کتابی مرد کے عقیدہ کے دائرہ سے باہر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے فکر وعقیدہ کے لحاظ سے بقائے باہم میں دشواری ہوتی ہے، دوسری طرف شوہر

---

(۱) قرضاوی: فتاوی معاصرۃ۔ حوالہ بالا۔ ج ۳، ص ۱۹۰۔

Marfat.com

خاندان میں اپنی قوامیت کا غلط استعمال کرسکتا ہے، وہ اپنی مسلمان بیوی کو مذہب چھوڑنے اور اسلام کی تعلیمات نظر انداز کرنے پر مجبور کرسکتا ہے، جب کہ مسلمان شوہر اپنی شریعت کی وجہ سے اس کا پابند ہے کہ وہ عورت کو اس کے عقیدہ پر چھوڑ دے۔

ہشتم: مختلف قسم کی آزادیاں:

الف: بے شمار دلائل، آزادیٔ عقیدہ کو ثابت کرتے ہیں:

(۱) لا إكراه فى الدين، قد تبيّن الرشد من الغىّ (البقرہ:۲۵۶)[1] دین میں زور زبردستی نہیں ہے، ہدایت گمراہی سے پوری طرح واضح ہوچکی ہے۔

۲۔ ولو شاء ربک لآمن من فى الأرض كلهم جميعاً، أفأنت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين (یونس:۹۹) اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے سارے لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہوجائیں۔

۳۔ إنّما أنت مذكر، لست عليهم بمصيطر (الغاشیۃ:۲۱،۲۲) آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں، آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔

۴۔ وما أنت عليهم بجبّار (ق:۴۵) آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں۔

---

[1] مختصر تفسیر بن کثیر للصابونی۔ بیروت۔ حوالہ بالا۔ ج۱ ص ۲۳۱، ص ۲۳۲، مفسرین کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت انصار کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، اگرچہ اس کا حکم عام ہے۔ ابن جریر، ابن عباس سے نقل کرتے ہیں: اگر کسی عورت کا بچہ ہمیشہ مرجاتا، تو وہ عہد کرتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو اس کو یہودی بنادوں گی، جب بنو نضیر جلاوطن کیے گئے تو ان میں انصار کے کچھ بچے بھی تھے، انہوں نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ الا إكراه فى الدين، اس حدیث کی تخریج ابوداؤد اور نسائی نے کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ''لا إكراه فى الدين'' بنوسالم کے ایک انصاری آدمی کے متعلق نازل ہوئی جس کو ''حصین'' کہا جاتا تھا، اس کے دو بیٹے نصرانی تھے اور خود وہ شخص مسلمان تھا، انہوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اسلام پر مجبور کرنا چاہا لیکن دونوں نصرانیت پر اڑے رہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، ابن جریر اور سدّی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

Marfat.com

۵۔ إن عليک إلاّ البلاغ (الشوریٰ:۴۸) آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔

۶۔ لکم دینکم ولی دین (الکافرون:۶) تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

۷۔ وقل الحق من ربکم ، فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (الکہف:۲۹) آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ بس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

۸۔ ولایزالون مختلفین إلاّ من رحم ربک ولذلک خلقهم (ہود: ۱۱۸۔۱۱۹) یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو اور اس اختلاف کا غم نہ کیجئے کہ اللہ نے ان لوگوں کو اسی واسطہ پیدا کیا ہے۔

۹۔ حضور پاک ﷺ نے نجران کے نصاریٰ سے جو عہد فرمایا تھا اس میں یہ بھی درج تھا کہ ان کی عبادت گاہوں کو اپنے حال پر رہنے دیا جائے گا، کسی پادری کو اس کے عہدہ سے، کسی دنیا بے زار راہب کو اس کی رہبانیت سے اور کسی گرجا کے خدمت گار کو اس کی خدمت سے بے دخل نہیں کیا جائے گا، یہ ایک بنیادی قاعدہ ہے جس کی مخالفت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اور دین میں اکراہ، اختیار کے منافی ہے جو ذمہ داری کی شرط ہے، اگر اختیار ختم ہو گیا تو پورا ڈھانچہ بشمول حکم، آزمائش، خلافت، آبادکاری، حساب، جزا اور جنت و جہنم زمیں بوس ہو جائے گا۔[1]

ب: مسلمانوں نے آزادیٔ عقیدہ کے دائرے کو دور تک پھیلایا ہے:

قرآن کریم میں اسی آزادی عقیدہ کی صراحت یہود، نصاریٰ اور صابئین کے لیے بھی ہے یہاں تک کہ اس دائرے میں زرتشی، ہندو، بودھ اور دوسرے مذاہب کے ماننے والے بھی

---

[1] ملاحظہ ہو بعینہٖ یہی رائے، غنوشی: حوالہ سابق ۵۳۔۵۶۔ سید قطب: نحو مجتمع إسلامی۔ اردن، عمان، مکتبة الأقصی، طبع اول ۱۹۶۹ء ص ۱۰۴، ۱۰۵۔

Marfat.com

شامل ہیں، جب ان لوگوں کا رہنا سہنا مسلمانوں کے ساتھ ہو[1]۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب سے مجوسیوں سے جزیہ لینا قبول کیا گیا تب سے ان کو اہل ذمہ مان لیا گیا اور چوتھی صدی ہجری میں شاہی محل اور قصر خلافت ہیں، جیسے یہود اور نصاریٰ کے نمائندے ہوا کرتے تھے، مجوسیوں کے بھی نمائندے ہوتے تھے[2]۔

(ج) آزادیٔ عقیدہ کے ذیل میں متعدد آزادیاں آتی ہیں جن میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ ادائیگی عبادت کی آزادی، خفیہ، علانیہ، تنہا اور جماعت کے ساتھ۔

۲۔ شہروں میں اور ان علاقوں میں جہاں دوسروں کی اکثریت ہو، ناقوس بجا کر عبادت کے لیے بلانے کی آزادی بشرطیکہ ان کے اس عمل سے مسلمانوں کی نماز میں خلل نہ ہوتا ہو[3]۔

۳۔ مذہبی ذمہ داری یا مذہب سے انتساب کے اظہار کے لئے من پسند لباس پہننے کی آزادی۔

۴۔ مختلف علامات وشعارات کے استعمال کی آزادی، جیسے زیوروں میں یا بطور زینت صلیب لٹکانا۔

۵۔ امام المسلمین کی اجازت سے بوقت ضرورت گرجا گھروں کی تعمیر کی آزادی[4]۔

---

[1] ڈاکٹر اسماعیل فاروقی: الدیانات الآسیویۃ العظیمۃ .نیویارک، ماکمیلان ۱۹۶۹ء ص ۳۲۹

[2] آدم متیز۔ حوالہ بالا۔ ج ۱ ص ۶۰۔

[3] اظہار شعائر کا مسئلہ جیسے ناقوس بجانا، صلیب ٹانگنا وغیرہ، اس میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے، حنابلہ مخالفت کے قائل ہیں (کشاف القناع) حنیفہ اور شوافع نے ممانعت کو مسلم شہروں میں خاص کر دیا ہے اور دیہاتوں اور ان جگہوں میں جواز کے قائل ہیں جو مسلمانوں کے شہر نہیں ہر چند کہ وہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد رہتی ہو (کاسانی ج ۷ ص ۱۱۳، شرح السیر الکبیر ج ۳، ص ۲۵۱۔ ۲۵۲، مغنی المحتاج ج ۴، ص ۲۵۷، منقول از عبدالکریم زیدان، حوالہ بالا، ص ۹۹، اور ہم مذکورہ مسئلہ میں حنفیہ اور شوافع کی رائے اختیار کی ہے۔

[4] زیدان: حوالہ بالا، ص ۹۶-۹۹: قرضاوی۔ غیر المسلمین..... حوالہ بالا ۲۰، ۲۱، یہی بات مقریزی سے "الخطط" میں منقول ہے اور وہاں حاشیہ ۲ میں دیگر حوالہ جات کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

۶۔ اجتماعی رسوم کی ادائیگی، مذہبی تہواروں میں جلسہ جلوس کی آزادی اور مذہبی جلسوں میں صلیب لٹکا کر نکلنے کی آزادی[1]۔

۷۔ مقدس یادگاروں اور عمارتوں کے احترام کی آزادی[2]۔

۸۔ تبدیلی عقیدہ یعنی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونے کی آزادی۔

۹۔ دوسرے کو مذہب قبول کرنے کی دعوت دینے کی آزادی، دوسرے مذاہب کے مناقشہ اور تنقیدی مطالعہ کرنے کی آزادی اسی سے مربوط ہے، بشرطیکہ یہ سب سنجیدگی، ادب اور علمی تحقیق کے قواعد کے ساتھ ہو[3]۔اس موضوع کی مزید وضاحت حسن الحوار (خوش گفتاری یا اچھی گفتگو) کے عنوان کے تحت آرہی ہے۔

د۔نقل مکانی کی آزادی:

آزادیٔ عقیدہ ہی سے وہ ممانعت مربوط ہے جو جزیرۂ عرب میں غیر مسلموں کی موجودگی سے متعلق وارد ہوئی ہے[4]، صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''أخر جوا المشر کین من جزیرة العرب '' (مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرو) اور حضرت عمر بن خطابؓ نے حضور پاک ﷺ کو فرماتے

---

[1] فہمی ہویدی: حوالہ بالا۔ص ۶۷۔

[2] جب مسلمانوں نے خیبر فتح کرلیا اور یہود شکست کھا گئے تو جو مال غنیمت جمع ہوا اس میں توریت کے نسخے بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نسخوں کو یہود کو واپس کرنے کا حکم دیا (إمتاع الأسماع للمقریزی، قاهرة مصر، دار الأنصار۔طبع اول ۱۹۸۱ء جلد اول ص ۲۴۴۔الآیۃ: (ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبّوا الله عدوا بغیر علم (الانعام:۱۰۸)۔

[3] غنوشی: حوالہ بالا، ص ۶۸، ۷۲-۷۵، مودودی، حقوق أہل الذمہ، حوالہ بالا ص ۳۳، ۳۴۔

[4] بخاری: کتاب الجزیة .باب إخراج الیهود من جزیرة العرب . فتح الباری:۶/۲۷۰۔مسلم: ۳/ ۱۲۵۷، حدیث ۲۰۔

Marfat.com

ہوئے سنا کہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دوں گا یہاں تک کہ یہاں مسلمان کے سوا کوئی دوسرا نہ رہے[1]۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو ارض حجاز سے باہر کر دیا[2]۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ سب سے آخری عہد جو رسول اللہ ﷺ نے کیا وہ یہ تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دینوں باقی نہ رکھا جائے[3]۔

بعض علماء نے جزیرہ عرب سے مراد خاص حجاز لیا ہے اور استدلال اس طرح کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً فرمایا: أخر جو هم من جزيرة العرب (ان کو جزیرہ عرب سے نکالو) اس کے بعد فرمایا أخر جو هم من الحجاز (ان کو حجاز سے نکالو)[4]۔ معلوم ہوا کہ جزیرہ عرب سے مراد صرف حجاز ہے۔

استاذ فہمی ہویدی نے یہ مسئلہ اپنی کتاب "مواطنون لاذميون" میں "تأمين البيت من الداخل" عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے[5]۔

بہر حال یہ مسئلہ مقدس شہروں کے حالات کے نظم و ضبط میں شامل کر لیا گیا ہے غیر مسلموں کے نقل مکان کی آزادی کے سلسلے میں جو ان جگہوں کے علاوہ میں ان کا حق ہے۔

---

[1] احمد، مسلم: ۳/ ۱۳۸۸، کتاب الجهاد والسير، ملاحظہ ہو "السلسلة الصحيحة": ۲/ ۶۲۹ حدیث ۹۲۴

[2] شوکانی: نیل الأوطار، ج ۸ ص ۷۷۔

[3] مسند احمد: ۶/ ۲۷۴۔ ۲۷۵، هيثمي: مجمع الزوائد ۵/ ۳۲۵، مسند احمد کے رواۃ حدیث صحیح کے رواۃ ہیں، سوائے ابن اسحاق کے، اس کی تخریج امام مالک نے مؤطا میں ابو شہاب کی سند سے ان الفاظ میں کی ہے: لاتجتمع دينان في جزيرة العرب (جزیرہ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں گے)۔

[4] مسند حمیدی: ۱/ ۴۶ حدیث ۸۵، مسند احمد: ۱/ ۱۹۵، راشد غنوشی: حقوق المواطنۃ، حوالہ بالا ۹۴، ۹۵۔

[5] فہمی ہویدی: مواطنون لاذميون۔ حوالہ بالا ص ۱۸۹ - ۱۹۲۔

Marfat.com

(ھ) تاریخی سرگرمیاں:

مسلمان آغاز ہی سے غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا پورا لحاظ رکھتے رہے ہیں، اس سلسلے میں اہل ذمہ کے ساتھ ان کے معاہدات چشم دید گواہ ہیں اور معتمد مراجع ان کے ذکر سے بھرے پڑے ہیں۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے اہل ایلیا کے ساتھ جو عہد فرمایا تھا اس میں ان کی آزادی، عبادت گاہوں اور شعائر کے احترام کی پوری ضمانت دی گئی تھی۔ عہدنامہ کے الفاظ ہیں: ''یہ امان ہے جو بندۂ خدا امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو عطا کی ہے، عمر نے ان کو ان کی جان، مال، گرجا گھر، صلیب اور پوری ملت کی ضمانت و امان دیا، ان کی عبادت گاہوں میں رہائش نہیں اختیار کی جائے گی، ان کو مسمار نہیں کیا جائے، ان کے دائرہ میں کمی نہیں کی جائے گی، نہ ان کے علاقے میں کٹوتی کی جائے گی، نہ ان کے مال میں سے کچھ لیا جائے گا، نہ ان کے دین پر ان کو مجبور کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ایلیا میں ان کے ساتھ کوئی یہودی رہے گا.....[1]

۲۔ خالد بن ولید نے اہل عانات کے جو عہد کیا اس میں درج تھا: شب و روز میں سے کسی بھی وقت انہیں ناقوس بجانے کا اختیار ہوگا، سوائے اوقات نماز کے، اور اپنی عید کے موقع پر صلیبیں نکالنے کا بھی حق ہوگا[2]۔

۳۔ اسی طرح کا عہد حضرت خالد بن الولید نے اہل قرقیسیاء کو بھی دیا۔ قرقیسیا، نہر خابور کے پاس ایک شہر ہے[3]۔

---

[1] تاریخ طبری: حوالہ بالا، ج ۴ ص ۱۵۹، قرضاوی: غیر المسلمین..... حوالہ بالا ص ۲۰۔

[2] الخراج لأبی یوسف: ص ۱۴۶، منقول از زیدان۔ حوالہ بالا، ص ۱۰۰۔

[3] الخراج لأبی یوسف۔ ص ۱۴۷ (منقول از زیدان۔ حوالہ بالا، ص ۱۰۰)۔

Marfat.com

۴۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا تو وہاں کے قبطیوں کو مکمل مذہبی آزادی دے دی اور بطریق بنیامین کو اس کے تخت پر بٹھایا جو تقریباً تیرہ سال تک غائب رہا تھا بلکہ جب اسکندریہ کے لئے چلے تو پوری گرم جوشی کے ساتھ اس کے استقبال کا حکم دیا۔[1]

نہم: بین المذاہب ڈائیلاگ

آزادی کی فضا ہی میں بین المذاہب ڈائیلاگ کا موقع ملتا ہے، اس ڈائیلاگ کے اپنے آداب ہیں جنہیں اسلام نے بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتى هى أحسن إلا الذين ظلموا منهم و قولوا امنّا بالّذى أنزل إلينا وأنزل إليكم وإلٰهنا وإلٰهكم واحد ونحن له مسلمون** (العنکبوت:۴۶) اور تم اہل کتاب کے ساتھ بغیر مہذب طریقہ کے مباحثہ مت کرو، ہاں ان میں جو زیادتی کرے اور یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہے اور ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔

ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالتى هى أحسن (النحل:۱۲۵) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

یہ اور اسی طرح کی آیات نے دیگر مذاہب کے ساتھ ڈائیلاگ کا ایک طریقہ کار فراہم کیا ہے جو موضوع سے متعلق خصوصی آداب وضوابط کے گنجینہ سے لبریز ہے، یہاں تو ان آداب وضوابط کی تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں اس لئے صرف ان میں سے کچھ کی جانب اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(الف) یہ ڈائیلاگ ایک خوش آئند قدم ہے بلکہ بہت ہی بہتر اور مستحسن کام ہے، سابقہ آیات

[1] ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام السیاسی، ص ۳۱۲، ۳۱۳، (منقول از زیدان حوالہ سابق ص ۱۰۰)۔

Marfat.com

اس پر بخوبی دلالت کرتی ہیں۔

(ب) ڈائیلاگ کی خوبی یہ ہے کہ کسی کو بھی برا بھلا کہنے سے احتراز کیا جائے، یہ آیت کریمہ اسی جانب اشارہ کرتی ہے "**ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبّوا اللہ عدوا بغیر علم**" (الانعام:۱۰۸) اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں یعنی ان کے معبودوں کو، کیوں کہ پھر وہ انجانے میں حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

قرآن میں ایک جگہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے ساتھ گفتگو کا طریقہ سمجھایا گیا، ارشاد ربانی ہے: **قل لا تسئلون عما أجرمنا ولانسئل عما تعملون** (سباء:۲۵) آپ فرمادیجئے کہ اگر ہم مجرم ہیں تو تم سے ہمارے جرائم کی بابت باز پرس نہ ہوگی اور ہم سے تمہارے اعمال کی باز پرس نہ ہوگی۔ جبکہ سیاق کا تقاضہ یہ تھا کہ" **لانسأل عما تجرمون**" استعمال کیا جاتا لیکن اس بات کی خواہش میں کہ جارحانہ کلام استعمال نہ کیا جائے، فکری سطح سے شخصی سطح کی جانب گفتگو کا رخ موڑ دیا گیا[1]۔

اہل ذمہ کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے دین کی خوبیاں بیان کریں، یا اسلام پر اس معنی میں نقد کریں کہ وہ ان اسباب و وجوہ کی نشاندہی کریں جو ان کے قبول اسلام کی راہ میں مانع ہیں اور جن کے ہوتے ہوئے ان کا دل ایمان کے لئے نہیں کھل رہا ہے، اسی طرح انہیں یہ بھی حق ہے کہ وہ عقائد اسلام اور شعائر اسلام کے سلسلے میں دل میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا اظہار کریں البتہ مذمت، افترا، طعن و تشنیع اور جارحانہ انداز نہ اپنائیں[2]۔

---

[1] غنوشی: حوالہ بالا۔ صفحہ نمبر ۱۳۱۔

[2] مودودی: حقوق اہل الذمہ۔ حوالہ سابق، صفحہ نمبر ۳۳۔

Marfat.com

(ج) دونوں جانب سے احترام:

مسلمان سابقہ رسالتوں اور سابق انبیاء پر ایمان رکھنے کی وجہ سے سب سے پہلے اس کا ماحول تیار کریں تا کہ دوسرے اس سے متاثر ہو کر ان کا احترام کرنے لگیں۔ اس معاملہ میں اس روش پر نہ چلیں جس پر مستشرقین اور عیسائی مشنریاں چلتی رہی ہیں۔

(د) ڈائیلاگ کا آغاز مشترکہ پلیٹ فارم سے ہو، سابقہ رجحانات کا اظہار نہ کیا جائے اس آیت کریمہ میں یہی کہا گیا ہے:" وإنا أو إيّاكم لعلىٰ هدى أو فى ضلال مبين (سباء:۲۴) اس مسئلہ میں بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔

وہ آیت کریمہ جس میں احسن طریقہ پر" جدال" کا حکم دیا گیا اس مشترکہ حقیقت کے خلاصہ کی جانب اشارہ کرتی ہے:"وقولوا امنا بالذى أنزل إلينا وأنزل إليكم وإلٰهنا وإلٰهكم واحد ونحن له مسلمون" اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کی گئی، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کی بات مانتے ہیں۔

پس خدا پر ایمان، اس کی عبادت کے وجوب پر ایمان، نبوت و وحی پر ایمان، آخرت پر ایمان، اور اخلاقی قدروں پر ایمان، مسلمانوں اور اہل کتاب کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیتے ہیں اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں یہ لوگ باہم معاون ہو سکتے ہیں۔

(ھ) مشترکہ حقیقت کی تلاش، ارشاد ربانی ہے:" وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" اور باہم تعاون کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور نہ تعاون کرو گناہ اور سرکشی کے کاموں میں۔

اگر مال و دولت اور جد و جہد ایمان کی اعانت اور الحاد کے مقابلہ میں صرف ہوتی تو سیکولرزم کے پردہ میں چھپے الحاد کے محاذ اور ایمان کے محاذ کے درمیان حالیہ مقابلہ میں قابل لحاظ پیش رفت

Marfat.com

ہوتی، ایمان کا محاذ پوری طرح سے منتشر بلکہ بیشتر اوقات ایک دوسرے سے متنفر ہے، جو ''فقہ الاولویات'' کے سیدھے سادے قاعدے کے بھی خلاف ہے جس کے نتیجہ میں نقصان ایمان ہی کے محاذ کا ہو رہا ہے۔

اب موجودہ پوزیشن، منتشر انفرادی کوششوں کی متحمل نہیں، اب تو منصوبہ بند تبدیلی کی ضرورت ہے جس میں دولت اور محنت کا رخ سیکولرزم میں چھپے الحاد کے خلاف علمی مقابلہ اور مغرب اور افریقہ کے لاکھوں لامذہب لوگوں کو اسلام کی طرف لانے کی جانب پھیر دیا جائے، یہ کام ایمان کے محاذ کی طرف سے پرخلوص اور دقیق منصوبہ بندی کا متقاضی ہے[1]۔

مستقبل کا لائحہ عمل:

الف: جدید اسلامی لٹریچر کا مطالعہ کرنے والا کھلے طور پر محسوس کرسکتا ہے کہ عام طور پر بین الاقوامی رشتوں سے متعلق اور خاص طور پر اقلیتوں سے متعلق مسائل کے بارے میں، خصوصی فقہی اور عمومی اسلامی سوچ سے مربوط مستقبل کے لائحہ عمل سے متعلق عمومی رجحان کیا چل رہا ہے۔

۱۔ امام محمد ابوزہرہ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، عبدالکریم زیدان، سید قطب، محمد غزالی، محمد فتحی عثمان، یوسف قرضاوی، فہمی ھویدی، محمد عمارۃ، راشد غنوشی، طارق بشری اور محمد سلیم عواء وغیرہ حضرات کی تحریریں اگرچہ تمام جزئیات میں متفق نہ ہوں، لیکن ان کی متعین کردہ وسیع راہ اس بات کی غماز ہے کہ روایتی فقہ کے تصور مثلاً دنیا کی دارالاسلام اور دارالحرب میں تقسیم کو بالائے طاق رکھا جائے اور دارالعبد کا مفہوم[2] اجاگر کیا جائے۔ اسی طرح اہل

---

[1] ملاحظہ ہو: قرضاوی: فتاویٰ معاصرۃ۔ حوالہ سابق۔ ج ۳، صفحہ نمبر ۲۰۰، ۲۰۳۔

[2] امام رازی نے عالم کی تقسیم دارالاسلام اور دارالدعوۃ میں کی ہے، اس سلسلے میں یہ بھی کافی نہیں ہے، کیوں کہ دارالعہد کا مفہوم پرامن تعلقات کی قانونی اساس فراہم کرتا ہے، جن تعلقات کے پیدا ہوجانے کے بعد دعوت اور دیگر امور جیسے تجارت وعلم وغیرہ حاصل کیے جاسکتے ہیں، بحوالہ مقدمہ طہ جابر علوانی، کتاب حقوق المواطنہ للغنوشی حوالہ سابق ۲)۔

Marfat.com

ذمہ اور مستأمنین کے احکام سے صرف نظر کیا جائے اور ''وطنیت'' کا تصور تخلیق کیا جائے، اس اعتراف کے ساتھ کہ روایتی تصورات کو چھوڑنے اور نئی اصطلاحات کی تخلیق کی کمیت وکیفیت میں تفاوت ہوسکتا ہے۔

عام احساس یہ ہے کہ اسلام میں حقوق انسانی سے متعلق دونوں اسلامی منشور، ایک ۱۹۸۱ء میں عوامی سطح پر اور دوسرے ۱۹۹۰ء میں سرکاری سطح پر، نے اگرچہ اقلیتوں کے بعض حقوق کی نشاندہی کی، لیکن دیگر حقوق سے چشم پوشی ہی برتی، اس نقص کے پس پردہ اگر ان دونوں منشوروں کے جاری کرنے والوں کی حساسیت اور تردد ہے تو جو اسلامی ممالک اقلیتوں سے متعلق بین الاقوامی قراردادوں کے معترف ہیں وہ تو بہرحال بین الاقوامی معیارات کے پابند ہیں، خاص طور پر جب کہ ان کا ٹکراؤ بھی اسلامی شریعت کے احکامات سے نہیں[1]۔

۲۔ گو کہ قدیم کو چھوڑنا جدید کی تاسیس سے زیادہ سہل ہے۔ لیکن جدید کی تاسیس کا بیڑا اٹھانے والوں کے لئے بھی معاصر متبادل کو قبول کرنا مشکل ہے، جس متبادل کا مظہر بین الاقوامی تنظیم، بین الاقوامی قوانین اور اس کے اسباب وذرائع کی شکل میں موجود ہے، ان لوگوں کے لئے اس تنظیم کو موجودہ شکل میں قبول نہ کرنے کا سب سے بڑا عذر یہ ہے کہ یہ تنظیم سامراجی مفادات، سیکولر تصورات، صہیونی منصوبوں کی خدمت گار اور اسلام اور مسلمانوں سے قدیم وجدید دشمنی سے عبارت ہے۔ یہ تنظیم سیاسی، اقتصادی، عسکری اور ابلاغی اقتدار کے مراکز کو اپنے کام میں لاتی ہے جو تنظیم کی موجودہ حالت کے تحفظ اور اصلاح کی ہر ممکن کوشش کا خاتمہ کرنے کے ذرائع ہیں، دو شعبوں میں اصلاح مطلوب ہے۔ (۱) تصورات کی اصلاح (۲) حالات کی اصلاح، کیوں کہ تصورات کی اصلاح،

---

[1] اسلام میں انسانی حقوق کا منشور، مجریہ ۱۹۹۰ء، من جانب تنظیم اسلامی چوٹی کانفرنس، اسلام میں انسانی حقوق کا عالمی منشور، جاری کردہ منجانب یوروپین اسلامک کونسل ۱۹۸۱ء، ڈاکٹر وائل علام: حوالۂ بالا، ۳۲۱-۳۳۱۔

Marfat.com

حالات کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔

یہاں اس حقیقت پر توجہ مبذول کرنا ضروری ہے کہ سامراجی ممالک کے عوام، عام طور پر سامراجیت کے بارے میں دھوکہ میں ہیں۔ البتہ وہاں کے نامور دانشوروں کی ایک غیر معمولی تعداد ایسی ہے جو صحیح صورت حال اور اس کے تعارض کو سمجھتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ سبز امن کی تحریکیں، اور IMF، انٹرنیشنل بینک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی آویزش، اسی بیداری کے مظاہر ہیں، جن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے، تاکہ امریکہ کے موجودہ استبداد سے عالمی حالت کو نکالا جائے، مقصد یہ نہیں دو قطبی نظام، یا چند قطبی نظام تشکیل دیا جائے، جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ عالمی تنظیم میں حقیقی جمہوریت بحال کی جائے جو مستقل ممبر ممالک کے امتیازات کو کالعدم کردے اور اس کی جگہ ایسا نظام منظر عام پر آئے جو قوموں اور باشندوں کی نمائندگی کرتا ہو، حکومتوں کی نہیں، وہ نظام امن وسلامتی، فروغ وترقی کا علم بردار ہو، اور احتکار، قبضہ، ہتھیاروں کی صنعت کی حمایت، منشیات کی تجارت کی حمایت سے پوری طرح محفوظ ہو، اس وقت ـــــ اور صرف اسی وقت ـــــ اس نئے عالمی نظام کو قبول کیا جاسکتا ہے اور اس کی جانب سے اطمینان کیا جاسکتا ہے اور توازن واعتدال کے ساتھ اس کو ان ذیلی تنظیموں کے عمل کا نگراں مقرر کیا جاسکتا ہے جو ہتھیاروں پر پابندی، انصاف، اقلیت، عورتوں سے متعلق مسائل پر مبنی امن وسلامتی کو فروغ دینے اور بروئے کار لانے کی کوشش کررہی ہیں۔

اس سلسلے میں حالیہ نقطہ نظر کافی نہیں ہے، کہ اقوام متحدہ کی قرارداد کی تعدیل کے لئے اس کے دائمی ممبران کی تعداد بڑھادی جائے، کیوں کہ جب تک ویٹو کا حق موجود ہوگا اس سے کچھ حاصل نہیں، یہی حق وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ امریکہ عالمی تنظیم پر اپنے ارادہ کو تھوپتا رہتا ہے۔

(ب) خاص اقلیات کے موضوع سے متعلق میری خواہش ہے مسلم علماء کی توجہ اور عمل درج

Marfat.com

ذیل دو منصوبوں پر مرکوز ہو:

۱۔ فقہ الاقلیات کے منصوبہ کو فروغ دینا، موجودہ بحث و تمحیص، فقہ الاقلیات کی پیشین گوئیوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی، ضرورت ہے کہ اسلامی دائرہ کے اندر شیعوں، کردوں، بربر، اور ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اور اسلامی دائرہ سے باہر، مصر کے قبطیوں، لبنان کے عیسائیوں، سوڈان، صرب اور روس کی اقلیتوں کے ساتھ مل کر اس موضوع پر سنجیدہ علمی مذاکرہ کیا جائے تا کہ اقلیات کے عالمی نظام کا تفصیلی ڈھانچہ پورے طور پر ظاہر ہو سکے جسے بعد میں اسلامک کانفرنس آرگنائزیشن کے توسط سے عالمی تنظیم کو پیش کیا جائے۔

۲۔ ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جائے جو عقائد، اقدار اور اخلاق کے باب میں مشترک نقوش وامور کو اجاگر کرے۔ جن کے دائرہ میں مختلف عقائد ور جحان رکھنے والے باہم تعاون کر سکیں اور ساتھ ہی بعض عیسائی دانشوروں کے ساتھ اس موضوع پر سنجیدہ علمی مذاکرہ کیا جائے جسے بعد میں ویٹکن سٹی کے عہدیداران، کلیسا کی عالمی کونسل، تنظیم یونیسکو اور بودھ، ہندومت اور کونفوشش کے نمائندوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

Marfat.com

Marfat.com

آٹھویں بحث

اقلیات کی نئی فقہ کا خاکہ

Marfat.com

Marfat.com

اقلیات کی نئی فقہ کا خاکہ

(۱) اس مقالہ کا مقصد جیسا کہ مقدمہ میں اشارہ کیا گیا، اقلیات کی ایک نئی فقہ کا خاکہ پیش کرنا ہے جس کے بارے میں ہمارا خیال ہے کہ یہ نیا خاکہ ہے، نہ صرف کتاب وسنت سے ماخوذ مضمون کے اعتبار سے، بلکہ انسانی مسائل میں سے ہر مسئلہ کا اسلامی حل پیش کرنے کے اعتبار سے بھی، جن مسائل کو عالمی قراردادوں کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور جن کے متعلق ماضی قریب تک ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ انسانی قدر سے بہت پچھڑی ہوئی ہیں جس سے اسلامی نقطہ متصف ہے۔

(۲) حالیہ تحقیق سے یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ عالمی نقطہ نظر اور اسلامی نقطہ نظر میں کوئی تعارض نہیں ہے، بلکہ دونوں مل کر ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ کیوں کہ اسلامی نقطہ نظر، نظری اساسیات اور عملی اصول پیش کرتا ہے جو حقیقت میں وہ مضمون تشکیل دیتا ہے جس کی ترجمانی عالمی قراردادیں، قانونی دفعات والتزامات کی شکل میں کرتی ہیں اور جس کے نفاذ کی نگرانی کے لیے ضروری اسباب ووسائل پیدا کرتی ہیں۔

۳۔ ہمیں امید ہے کہ اس دوطرفہ تکاملی خوبی کے سبب ہم انسانیت کے تئیں اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی کا سفر شروع کرسکیں گے جو ذمہ داری دعوت اسلامی کا عالمی مزاج ہمارے اوپر عائد کرتا ہے۔

(۴) جس نقطہ نظر کو ہم یہاں پیش کررہے ہیں، وہ اپنے اس مزاج کی وجہ سے جس کی طرف ہم

Marfat.com

نے اشارہ کیا، بنیادی طور پر ان معاملات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جن کا تعلق اسلامی ملکوں کی غیر اسلامی اقلیات سے ہے نیز ان معاملات کو بھی حل کرنے کی قوت رکھتا ہے جو غیر اسلامی ملکوں کی مسلم اقلیات سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح وہ مسائل بھی اس نقطہ نظر کی بدولت حل ہو سکتے ہیں جن کا تعلق غیر مسلم اقلیت و اکثریت سے ہو، خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں آباد ہوں۔

(۵) نقطہ نظر کی اس ہمہ گیریت کا سر چشمہ، وہ انصاف ہے جو باہمی مسائل کے حل میں ناگزیر ہے، اس لئے کہ آپ کو لوگوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرنا چاہئے جیسا کہ آپ لوگوں سے اپنے لیے چاہتے ہیں۔ آپ اقلیت میں ہوں یا اکثریت میں، دوہرا پیمانہ نہ اپنائیں۔

اسی وجہ سے ہم نے ان تصورات کو مسترد کر دیا جو مسلم اقلیات کی خواہشات پر مبنی تھے اور غیر مسلم اقلیات کے مطالبہ کے باوجود جن پر کان نہیں دھرا گیا تھا[1]۔

(٦) نقطہ نظر کی عمومیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام ملکوں کے مسائل کا حل ایک ہو، کیوں کہ حالات مختلف ہیں چنانچہ حل بھی مختلف ہونے چاہئیں، لیکن ان سب کا سر چشمہ ایک ہے اور سب کو ایک ہی پیمانہ میں ناپا جائے گا۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ ہم نے متعدد اختیارات وضع کیے ہیں جو ان اعتبارات پر مبنی ہیں جن کی رعایت مناسب حل کی تلاش میں لازم ہے۔ یہ اختیارات دو طرح کے ہیں، (۱) علیحدگی (آزادی یا وفاقی حکومت کی صورت میں) اور (۲) بقائے باہم (خاص ترتیب یا انضمام کی صورت میں) پہلے ہم اعتبارات کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد اختیارات کا جائزہ لیں گے۔

---

[1] (ملاحظہ ہو: طه جابر علوانی کا مقالہ بعنوان "فی فقه الأقليات المسلمة" سلسلة التنوير الإسلامی دارنهضة مصر، ۲۰۰۰ء، صفحہ ۴۹-۵۱)۔

Marfat.com

اوّل: چند اعتبارات جن کی رعایت مطلوب ہے:

اقلیتوں کے مسائل کا حل تلاش کرتے ہوئے کچھ اعتبارات کا لحاظ مطلوب ہے، جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

الف: اقلیت یا اقلیات کے افراد کی تعداد اور مجموعی آبادی کے لحاظ سے اس کا تناسب

(۱) ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں ہیں لیکن ان کی تعداد ۱۳۵ ملین (۱۳۵,۰۰۰,۰۰۰) ہونے کی وجہ سے ان کے لیے مخصوص عائلی قوانین یا مسلم پرسنل لا کا وجود کوئی حیرت انگیز نہیں۔

۲۔ لبنان میں عیسائی اقلیت میں ہیں ان کی تعداد ۴۷۰ ہزار سے زیادہ نہیں، لیکن مجموعی آبادی کا ۴۲٪ فیصد ہونے کی وجہ سے خصوصی حقوق سے بہرہ ور ہونا ہمارے لئے کوئی حیرت ناک نہیں، یہاں تک کہ صدر جمہوریہ اور آرمی کمانڈر انہی میں سے ہونا ضروری ہے۔

ب: اقلیت کی جغرافیائی ترکیز

(۱) کسی مخصوص و متعین خطہ میں اقلیت کے مرتکز نہ ہونے کی وجہ سے یہ غور و فکر بھی محال ہے کہ ان کو کوئی علاقائی نظم و انتظام یا مخصوص و محدود حکومت سپرد کی جائے، چہ جائے کہ ان کو کوئی علیحدہ خود مختار ریاست دے دی جائے جیسے مصر میں قبطی لوگ۔

(۲) جب کہ کسی خاص خطہ میں اقلیت کا ارتکاز اسے یہ اختیار فراہم کرتا ہے کہ وہ مقامی نظم و نسق سنبھال لے یا مخصوص و محدود حکومت اسے حاصل ہو جائے یا وہ مکمل طور پر آزاد و خود مختار ہو جائے، جیسے سوڈان میں عیسائی اور بدائی اقلیت کا ارتکاز۔

ج: آبادی کے تناسب سے نمائندگی

شخصی انتخابات کے نظام میں چوں کہ پارلیامنٹ یا اسمبلی تک اقلیتوں کے نمائندوں کی

Marfat.com

رسائی صرف اسی صورت میں ممکن تھی کہ جس علاقے سے وہ انتخاب لڑ رہے ہوں وہاں ان کی عددی اکثرت ہو، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی رسائی کے لیے دوسرے طریقوں پر غور کیا جائے مثلاً:

(۱) امیدواروں کی فہرست میں انتخاب، کہ اس فہرست میں اقلیت کا بھی کوئی امیدوار ہو اور جب وہ فہرست کامیاب ہو جائے تو ضمناً وہ امیدوار بآسانی کامیاب ہو جائے۔

(۲) اگر کسی علاقے میں دس امیدواروں کا انتخاب مطلوب ہو، تو ووٹ ڈالنے والوں کو صرف نو کے انتخاب کا اختیار دیا جائے جو اکثریت کی نمائندگی کرتے ہوں اور دسویں سیٹ کے لیے اس کو حق دیا جائے جس نے نو میں سے سب سے زیادہ ووٹ حاصل کیے ہوں۔

(۳) ووٹ ڈالنے والے کو اختیار ہو کہ وہ دس ووٹوں کو مثلاً دس امیدواروں کے درمیان تقسیم کر دیں یا ایک ہی امیدوار کو دس ووٹ دے دیں، جس سے ووٹوں کے ارتکاز کی وجہ سے اقلیت کے امیدوار کو کامیابی کا موقع مل جائے۔

(۴) صدر مملکت اقلیت کے نمائندوں کا انتخاب کریں تا کہ انتخاب کے موجودہ نظام میں ان کی نمائندگی کے فقدان کی کسی حد تک تلافی ہو جائے۔

(۵) اقلیتوں کی مشاورتی کونسلیں منعقد ہوں جن میں اقلیتوں کے مسائل کا جائزہ لیا جائے اور پھر ان کی سفارشات متعلقہ اداروں اور محکموں کو پیش کی جائیں۔

(۶) اقلیتوں کے امور کی دیکھ ریکھ کی وزارت تشکیل دی جائے۔

(۷) اقلیتوں کو آبادی کے تناسب سے ملازمتوں میں ریزرویشن دیا جائے، تا کہ ملازمت کے مواقع میں ان کے نقصان کو کم سے کم کیا جا سکے۔

د: حق خود اختیاری

چوتھی بحث (دوم۔ح) میں ہم اس پر بحث کر چکے ہیں اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قوموں کی

Marfat.com

حق خود اختیاری کے اصول کی مثبت اور وسیع تشریح کی جائے، جس کی صراحت ۱۹۶۶ء کے دونوں معاہدوں کی پہلی دفعہ میں ہے. جس میں قومی، مذہبی اور لسانی تینوں طرح کی اقلیات شامل ہیں۔

دوم: آزادی وخودمختاری کا اختیار:

کبھی تو جانبین باہمی رضامندی سے آزادی پر متفق ہو جاتے ہیں جیسے چیکوسلووا کیا میں ہوا، جس کے نتیجہ میں ایک ملک دوملکوں میں منقسم ہوگیا: چیکو اور سلووا کیا، باہمی رضامندی کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ اصل مملکت اس کی منظوری دے دیتی ہے اور علیحدگی کا مطالبہ کرنے والی ریاست میں رائے عامہ اس کی تائید کر دیتی ہے۔ اس کی آخری مثال مشرقی تیمور ہے جو انڈونیشیا سے علیحدہ ہوا، اور اس سے قبل سوویت یونین اور یوگوسلاویہ کے بکھراؤ کی شکل میں اس کی مثال سامنے آئی، حالانکہ اس سے مسائل ختم کیا ہوتے، پہلے سے کئی گنا زیادہ مسائل کا اضافہ ہوگیا۔ پاکستان کی ہندوستان سے علیحدگی پھر مشرقی پاکستان کی مغربی پاکستان سے جدائی سب اسی نوع کی ہے ـــــ اور اس حل کی مجوزہ مثالوں میں کشمیر[1] اور جنوبی فلپین ہے۔

کچھ ایسے امور جن پر توجہ اور جن کی ترتیب آزادی سے قبل مناسب ہے:

(۱) معاشی خودمختاری، اور آزادی کے عناصر پوری طرح موجود ہوں، کیونکہ سابق سوویت یونین کے حالات نے واضح کر دیا ہے کہ وہاں بعض صنعتیں بالخصوص عسکری صنعتوں کی یونیٹیں متعدد ریاستوں میں منقسم تھیں۔

(۲) علیحدہ ہونے والی ریاست کو بحری آمدورفت کے راستے حاصل ہوں تاکہ وہ محبوس نہ ہو جائے اور سمندروں اور دریاؤں تک پہنچنے کے لئے پڑوسیوں کے سہارے کے لئے مجبور نہ ہو۔

---

[1] دستور کی دفعہ ۳۷۰ کشمیر کو محدود خودمختار حکومت کا حق فراہم کرتی ہے۔

Marfat.com

(۳) ریاستی اتصال پوری طرح مستحکم ہو یعنی ریاست کا ہر حصہ دوسرے حصہ سے مربوط ہو، ویسا نہ ہو جیسا صہیونی چاہتے ہیں کہ مغربی پٹی کے حصے بخرے کر کے ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے۔

سوم: وفاقی حکومت کا اختیار:

یہاں وسیع تر معنی میں وفاقی حکومت سے ہماری مراد وہ مختلف درجات ہیں، جنھیں ہم علاقائی انتظام، محدود خود مختار حکومت، یا کونفیڈرل انداز حکومت ہے اور تنگ مفہوم کے اعتبار سے اس سے مراد صرف وفاقی حکومت ہے جب انتظامی یا سیاسی لامرکزیت وجود پذیر ہوتی ہے، اسی طرح جب علیحدہ ہونے والی ریاستیں کبھی بین الاقوامی حیثیت حاصل کر لیتی ہیں اور کبھی نہیں کر پاتیں، تو اس اختلاف کے اعتبار سے وفاقی حکومت یا فیڈرل حکومت کی صورتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

کامیاب فیڈرل حکومت کی مثال سوئس یونین ہے، جہاں جرمنی فرانسیسی، اور اطالوی اقلیات اپنے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذاہب کے ساتھ مکمل حقوق سے بہرہ ور ہیں۔

علاقائی انتظام یا خود مختار حکومت کی مجوزہ مثال جنوبی سوڈان ہے جہاں شمالی علاقے کے باشندے متحد سوڈان کے خواہش مند ہیں اور جنوبی خطہ کے باشندے آزادی کے طلب گار، کردوں کے مسائل کے حل کے لئے جو تجاویز آئی ہیں ان میں ایک علاقائی انتظام یا خود مختار حکومت کی بھی ہے اور اس آخری حل کو زمینی طور پر عراق پر امریکی برطانوی بربریت کے سائے میں تھوپ دیا گیا ہے۔

چہارم: احوال شخصیہ یا پرسنل لاء کا اختیار:

ہندوستان اور لبنان میں تاریخی الٹ پھیر نے ہندوستان میں مسلم اقلیت اور لبنان میں

Marfat.com

عیسائی اقلیت کوخصوصی مراعات فراہم کردی ہے۔

ہندوستان میں ان مراعات میں سے اہم ترین اس مجموعہ قوانین کا وجود ہے جو ۱۹۳۷ء، ۱۹۳۹ء، اور ۱۹۵۴ء کے دوران صادر ہوئے اور جن کا تعلق شادی، طلاق، عدت، مہر، حضانت، وراثت، عورت کے لئے حق ملکیت، ہبہ، اور وقف سے ہے اور جو شریعت سے مستفاد ہیں[1]۔

لبنان میں اہم ترین مراعت یہ ہے کہ ہر فرقہ کا مستقل پرسنل لاء ہے اور اقتدار ان میں بنٹا ہوا ہے۔ صدر جمہوریہ ماروئی ہوتا ہے، وزیر اعظم سنی، اور پارلیامنٹ کا صدر نشین شیعہ ہوتا ہے۔ اب اس قسم کی مراعات کی تکرار کا تصور ہی محال ہے چنانچہ ان مراعات کو غیر واقعی اختیارات کہنا زیادہ مناسب ہے۔

پنجم: آبادی کے تناسب سے انضمام کا اختیار:

انضمام یہاں تناسب پر مبنی ہے کیوں کہ اقلیت کچھ استثناءات وامتیازات کے ساتھ وطنیت کے بیشتر تقاضوں سے، حقوقِ اقلیت کے تحفظ کی وجہ سے، استفادہ کرتی ہے، ان استثناءات وامتیازات کا ذکر مختصراً حسب ذیل ہے:

الف۔ عقیدہ کے شعبہ میں:

یعنی اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کی آزادی، تبدیلی مذہب (ارتداد) کے عنوان کے تحت ہم نے مذہبی آزادی کے اصول اور اس پر ہونے والے اعتراضات کا خلاصہ کیا ہے۔

ب۔ عبادت کے شعبہ میں:

عبادت کی انجام دہی کی پوری آزادی یعنی تنہا، جماعت کے ساتھ، خفیہ اور اعلانیہ،

---

[1] عبدالکبیر: قانون الأحوال الشخصية فی الهند ندوة الأقليات المسلمة ۔حوالہ بالا ج ۲، صفحہ ۶۶۵ اور ۶۷۰، ۶۷۲۔

Marfat.com

ہر طرح آزادی حاصل ہے اور اسی ذیل میں درج ذیل امور بھی آتے ہیں:

۱۔ عبادت کے لئے بلانے کی آزادی، مسلمانوں کے یہاں اذان دے کر، اور عیسائیوں کے یہاں ناقوس بجا کر، البتہ یہ ان علاقوں اور محلوں میں ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت یا عیسائیوں کی اکثریت ہے، بشرطیکہ ان میں سے کسی کے عمل سے دوسرے کی عبادت میں خلل نہ ہوتا ہو۔

۲۔ اپنی پسند کا پوشاک پہننے کی آزادی جس سے کسی متعین مذہب سے انتساب یا خاص مذہبی ذمہ داری کا پتہ چلتا ہو۔

۳۔ مختلف اشارات ورموز کے استعمال کی آزادی جیسے صلیب، تسبیح، ایسے پوسٹر یا بینر جن میں مذہبی عبارتیں ہوں، بشرطیکہ ان سے دوسروں کے احساسات مجروح نہ ہوتے ہوں۔

۴۔ عبادت گھروں کی تعمیر کی آزادی (مسجد، کلیسا، وغیرہ) اور مذہبی تنظیم قائم کرنے کی آزادی۔ یہ آزادی تمام مذاہب والوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے حاصل ہوگی۔

۵۔ مذہبی تہواروں کے موقعوں پر مذہبی اجتماعات، اور اجتماعی عبادات وروایات کی ادائیگی کی آزادی۔

ج۔ مذہبی تعلیم کے شعبہ میں:

۱۔ ایک متعین عمر تک والدین کو حق ہے کہ وہ اپنے بچے کو مذہبی تعلیم دلوائیں، اس کے بعد بچے کو اختیار ہے کہ وہ مذہبی تعلیم جاری رکھے یا چھوڑ دے۔

۲۔ مذہبی تعلیم ایسے اساتذہ دیں گے جو اپنے فن میں ماہر ہوں، اس مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اور اسی پر عمل کرنے والے ہوں۔

۳۔ اگر عام اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا اہتمام نہ ہو تو مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ وہ اپنے لیے خاص تعلیمی ادارے کھولیں، اور مذہب کی تدریس کے لئے ماہر معلمین کی تیاری کے واسطے

Marfat.com

مخصوص تعلیمی ادارے تشکیل دیں۔

۴۔ اگر مقامی طور پر مذہبی مدرسین اور واعظین فراہم نہ ہوں تو مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ وہ بیرون ملک سے مدرسین وواعظین بلائیں اور خاص مذہبی تعلیم کے لئے ملک سے باہر وفود بھیجیں۔

د۔ زبان کی تعلیم:

۱۔ والدین کو حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کو قومی زبان سکھائیں۔

۲۔ اگر عام اسکولوں میں یہ سہولت فراہم نہ ہو تو لسانی اقلیت کو حق ہے کہ وہ قومی زبان کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولیں اور زبان کی بہتر تدریس کے لئے معلموں کے خصوصی ادارے تشکیل دیں۔

۳۔ اگر علاقائی طور پر اس زبان کے مدرسین دستیاب نہ ہوں تو اقلیت کو حق ہے کہ وہ بیرون ملک سے ایسے مدرسین کو بلائیں اور اس زبان میں اختصاص کے لئے اپنے وفود بیرون ملک بھیجیں۔

ھ۔ اسلامی دعوت/عیسائی تبلیغ:

۱۔ مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ مذہبی تنظیموں کے مراکز میں اور عبادت گاہوں کے اندر، مذہبی اجتماعات ومحاضرات کے ذریعہ اپنے مذہب کی دعوت وتبلیغ کریں جس کی جانب اوپر (ب۔ ۴ میں) اشارہ کیا گیا۔

۲۔ مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ وہ مذہبی کتابیں اور کتابچے چھپوائے اور تقسیم کرے۔

۳۔ مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ وہ سمعی اور بصری ذرائع ابلاغ میں اپنے لیے کچھ وقت مخصوص کرے اور خاص اپنے لئے ذرائع ابلاغ کا انتظام کرے۔

۴۔ درج بالا تین نمبرات کے تحت جو حقوق بیان کئے گئے، شرط ہے کہ ان سے استفادہ کے دوران دوسرے مذاہب اور ان کے مقدسات سے چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے اور دوسرے

Marfat.com

مذاہب کے ماننے والوں کے جذبات مجروح نہ کئے جائیں، ساتھ ہی امن وسلامتی کی عمومی فضا کو مکدر نہ کیا جائے۔

۵۔ مذہبی اقلیت کو حق ہے کہ وہ بیرون ملک سے مبلغین ودعاۃ بلانے کے لیے ویزا حاصل کرے۔

و۔ عائلی قوانین:

۱۔ اصل یہ ہے کہ ہر ملک کو اپنی سرزمین پر یکساں قانون اور یکساں فیصلہ کا حق ہے اور یکساں قانون سے استثناء کی گنجائش بہت ہی خاص حالات میں ہے۔

۲۔ عقد نکاح، نتائج نکاح اور فسخ نکاح کے تعلق سے اس ملک کا قانون نافذ ہوگا جہاں یہ عقد ہوا ہے، بشرطیکہ یہ اس ملک کے عام قانون کے خلاف نہ ہو جہاں مقدمہ ہوا ہے۔

۳۔ اعتبار اسی نکاح کا ہوگا جس کا انعقاد سفارتی ملک کے قانون کے مطابق اس ملک کی سفارت کے سامنے ہوا ہو، بشرطیکہ اس ملک کے عام نظام کے خلاف نہ ہو جہاں مقدمہ ہوا ہے۔

ز۔ اقلیت کی سلامتی:

ملک میں موجود اقلیت کے تحفظ کی ذمہ داری اور خصوصی ذمہ داری اس ملک کے سیکورٹی افسران وحکام کی ہوگی، خواہ وہ ملک کے باشندے ہوں یا غیر ملکی ہوں۔

ح۔ عمل اور ملازمت:

مملکت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی لازمی تدابیر اختیار کریں جن سے اکثریت کے زیر اثر اداروں میں اور حکومت کی ملازمتوں میں اقلیت کے افراد کو مناسب روزگار مل سکے۔ اسی طرح اس کے برعکس ایسی تدابیر بھی اپنائے کہ اقلیت کے مملوک اداروں میں اکثریت کے افراد کی

Marfat.com

ملازمت اور روزگار یقینی ہو۔

ط۔ سیاسی حقوق:

جن ملکوں میں اقلیات ہوں وہاں انتخاب کے ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن سے اقلیتوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں نمائندگی حاصل ہو سکے۔

ی۔ دوسرے حقوق:

مملکت کی یہ ذمہ داری ہے کہ اقلیت کے لیے ایسے قبرستان کی حصولیابی آسان بنائے جو ان کے مردوں کے لئے خاص ہو، اسی طرح ذبیحہ، حجاب وغیرہ سے متعلق اپنی مذہبی تعلیم پر عمل کو ان کے لیے آسان بنائے، اور اقلیتوں کو آسانی کے ساتھ یہ حق فراہم کرے کہ مقامی طور پر چندہ اکٹھا کر سکیں اور بیرون ملک سے چندہ لا سکیں۔

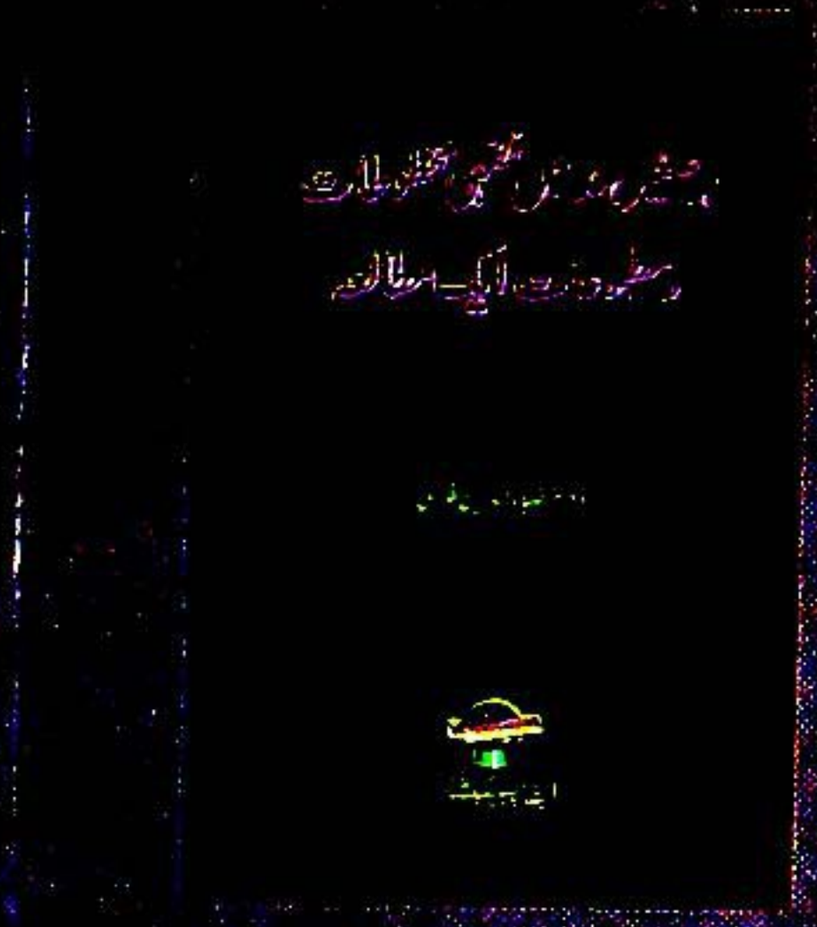
ک۔ حقوق کے لیے عملی اقدام:

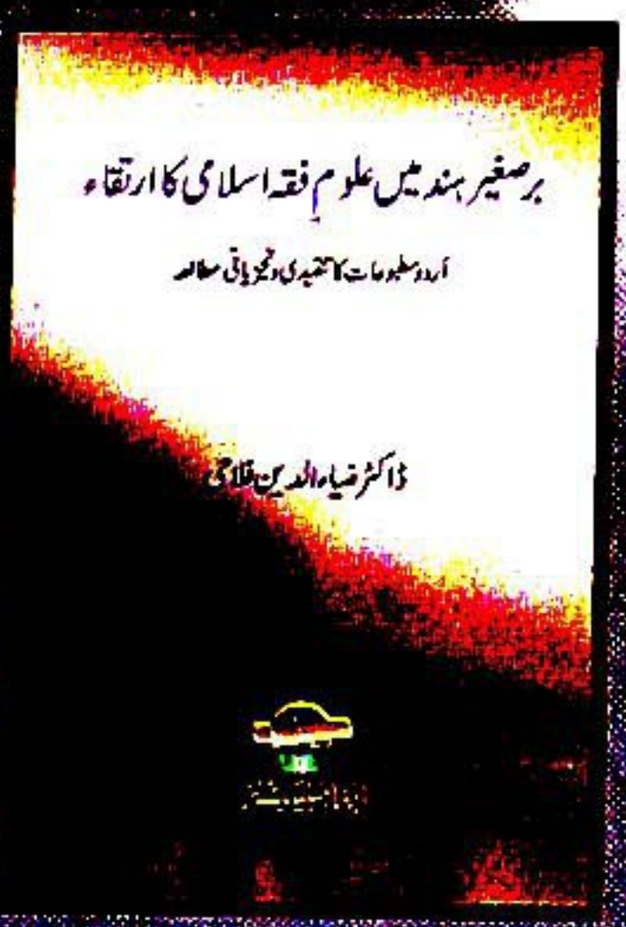
مناسب ہے کہ حکومت بسہولت اقلیتوں کو تسلیم کرے، بالخصوص تسلیم کرنے کی رسمی اور عملی شرطوں کو آسان بنائے اور اس بارے میں عدالت کو فعال کردار ادا کرنے کا موقع دے، اسی طرح اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کی صورت میں، خواہ سرکاری حکام کی طرف سے ہو یا شخصیات اور اداروں کی جانب سے، عدالت کو فعال رول نبھانے کا اختیار دے۔ اس سلسلے میں سویڈن میں ۱۹۸۶ء کے امبودسمان کے نظام حکومت کو ''عمل اور نگرانی'' کا بہترین نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے[1]۔

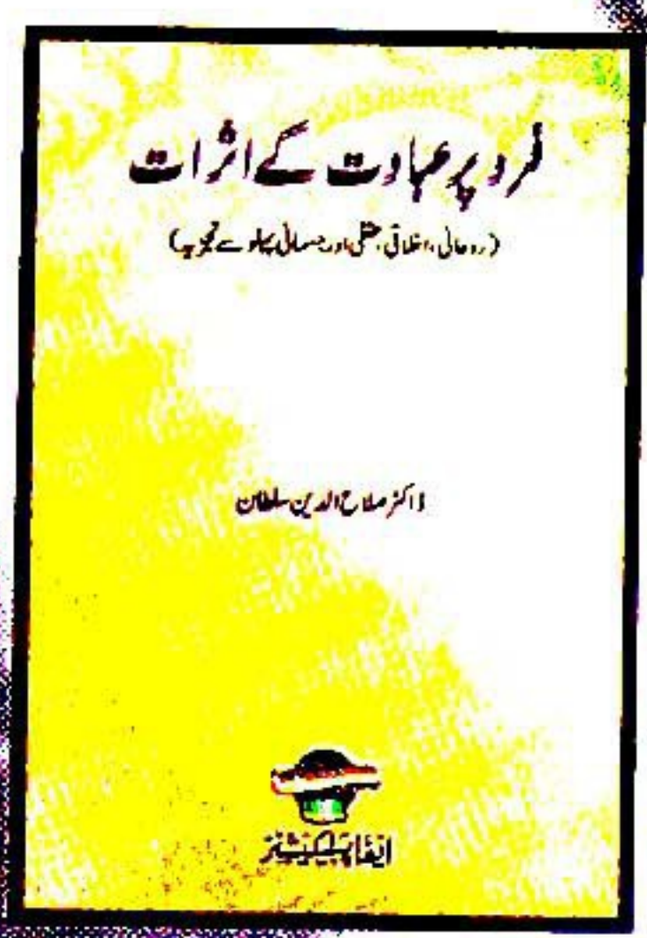
---

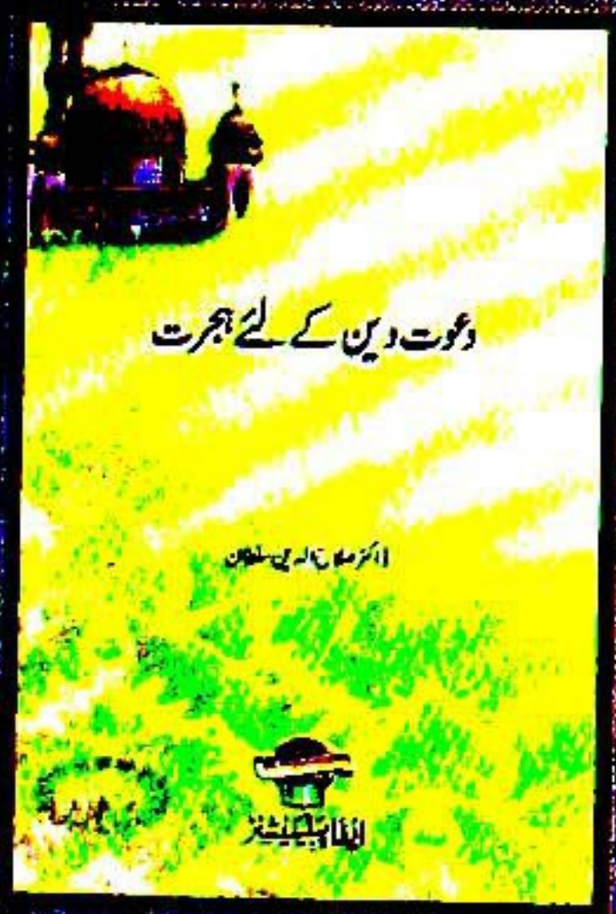
[1] امریکی رپورٹ ۲۰۰۰ء، حوالہ سابق۔

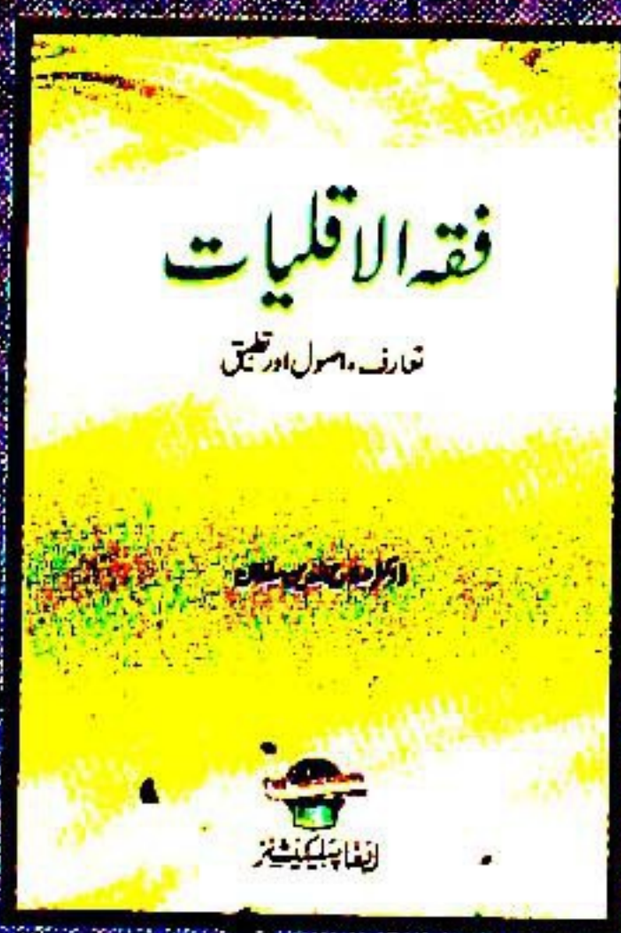
Marfat.com

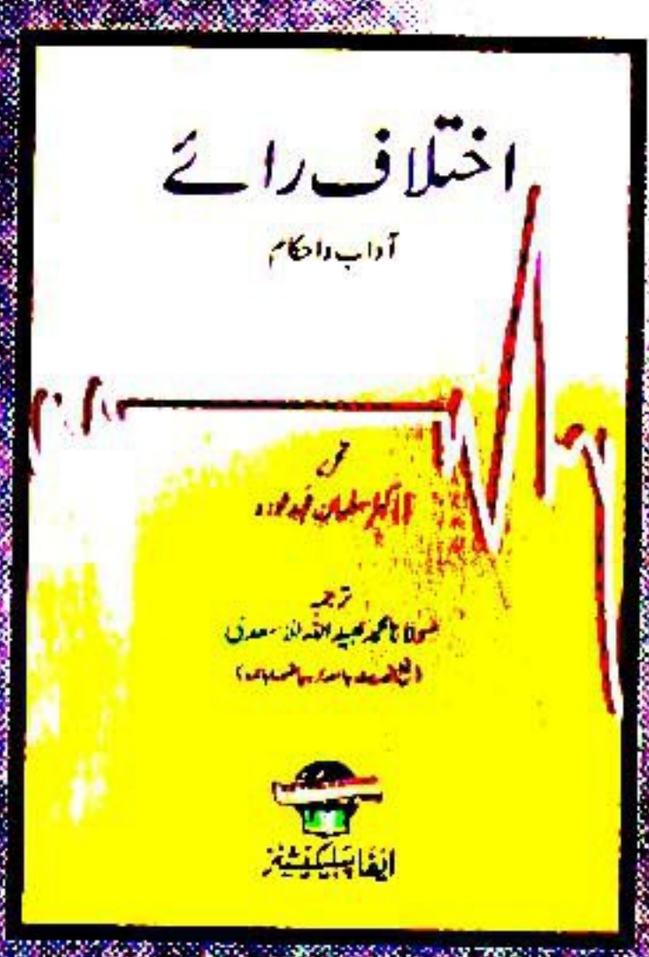






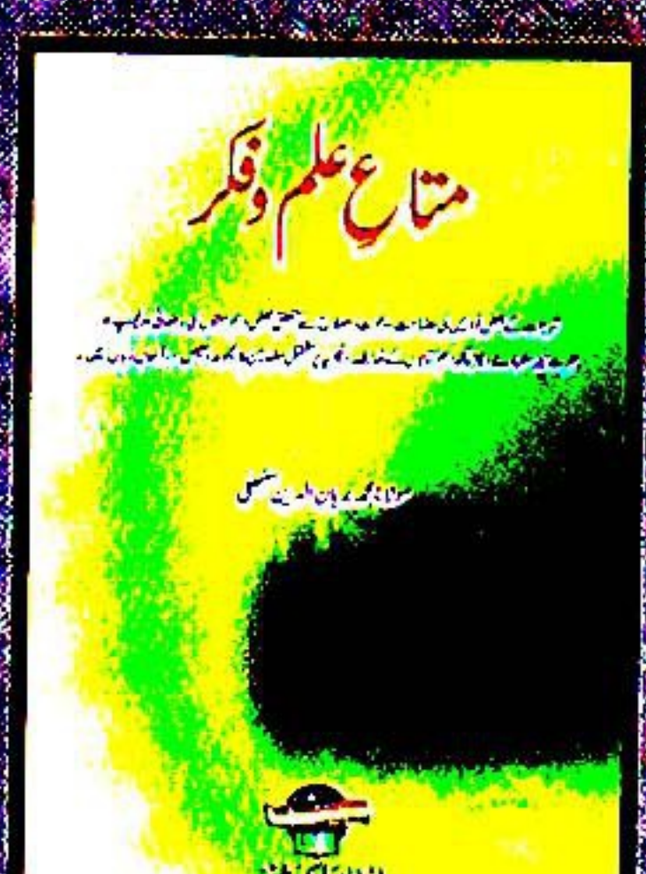












8160
5

IFA PUBLICATIONS
IFA Publications
21, Ground Floor, Jogabai Extn., Post Box No. 97, 98,
Jamia Nagar, New Delhi - 110025
Email: ifapublication@gmail.com

Marfat.com